ماہنامہ

قلندر شعور

جنوری ۲۰۱۷ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

جلد 4 شمارہ 12 | جنوری 2017ء | ربیع الثانی ــ جمادی الاولیٰ 1438ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 60روپے..... سالانہ ہدیہ 820روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرون پاکستان 60امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کا پتا:

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

حمد باری تعالیٰ ______ امیر المومنین حضرت علیؑ 10

نعتِ رسول مقبول ﷺ ______ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ 11

رباعیات ______ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 12

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ ______ ادارہ 14

وقت کی پیمائش ــــ؟ ______ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 17

فقیر کی ڈاک ______ ادارہ 22

میرے نام ــــ نامے ______ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 25

ایام کا مرکبُ نہیں، راکب ہے قلندر ______ (Ph.D.) ڈاکٹر زبیر احمد 29

باتیں ــــ اللہ کے دوستوں کی | میں کہتا ہوں سب سے موت ہی اچھی ہے ______ محمد ذیشان 33

مٹی کی سائنس ______ عبدالوحید نظامی 41

ارشادات قلندر بابا اولیاءؒ ______ حکیم سید طاہر جلیل 45

پانی برف ــــ برف پانی ______ (M.A-Economics) محمد علی ضیا 51

خلا کیا ہے ــــ؟ ______ (M.Sc.) زاہدہ تبسم 55

بیداری اور نیند ــــ؟ ______ اظہر حسین 61

سفرنامہ دخترِ آدم و حوّا ــــ بتیس ہزار + دس لاکھ ______ دخترِ آدم و حوّا 67

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند ______ (Ph.D.) ڈاکٹر یاسر ذیشان 75

مرشد کی باتیں ______ (M.A-Mass Comm.) عائشہ خان 79

روحانیون ______ (MBA) سید اسد علی 85

راسخ فی العلم ______ ڈاکٹر سعیدہ شفیق میمن 89

بلیک اینڈ وائٹ دنیا | دو صفحات ــــ ایک ورق ______ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 93

97 عاصم بیگ (B.SE.-Software Eng.) ____ قلم لکھ کر خشک ہو گیا (حدیث)

103 ماخوذ ____ حضرت عزیر علیہ السلام

109 قارئین ____ اکتوبر 2016ء کے سرورق کی تشریح

113 خالدہ زبیر (M.Sc-Botany) ____ یاردم بدم بار بارمی آید

119 جاپانی لوک داستان ____ لالچ بری بلا ہے

123 فرزانہ پرویز ____ مصور کا تعارف ــــ تصویر

127 قارئین ____ اقتباسات

129 کوکب شاہ عالم ____ مونگ پھلی

131 قارئین ____ باولی کھچڑی

اللہ میاں کے باغ کے پھول ____

134 ھدیٰ پیرزادہ ____ کوئلے میں ہیرا

138 سارہ خان (M.A-Mass Comm.) ____ مکھی اور پروانہ

143 محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics) ____ پرتیاہار

147 عظیمی خواجہ شمس الدین ____ آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

153 ادارہ ____ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات ــــ گیارہ زبانوں میں

181 Sachiko Murata, State University of NY-USA ____ Chinese Gleams of Sufi Light

187 Nasser Abbas (UK) ____ The Autobiography of the Devil (Iblees)

191 Dr. Naeem Zafar (UAE) ____ The Interpretation Does Matter

197 Muhammad Zeeshan ____ One and One = Eleven

201 Extracted ____ Prophet Shuaib (PBUH)

204 Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) ____ Time Measurement ___?

206 From Editor's desk ____ Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)

حمد باری تعالیٰ

لَكَ الْحَمْدُ يَا ذَا الْجُوْدِ وَالْمَجْدِ وَالْعُلٰى، تَبَارَكْتَ تُعْطِيْ مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ

اے جود و بزرگی اور بلندی والے سب شکر تیرے لئے ہے، تو برکت والا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے نہیں دیتا

اِلٰهِيْ وَخَلَّاقِيْ وَحِرْزِيْ وَمَوْئِلِيْ، اِلَيْكَ لَدَى الْاِعْسَارِ وَالْيُسْرِ اَفْزَعُ

تو میرا معبود ہے، میرا خالق اور میری جائے پناہ ہے، تیری ہی طرف تنگی اور کشادگی ہر حالت میں پناہ ڈھونڈتا ہوں

اِلٰهِيْ لَئِنْ جَلَّتْ وَجَمَّتْ خَطِيْئَتِيْ فَعَفْوُكَ عَنْ ذَنْبِيْ اَجَلُّ وَاَوْسَعُ

اے میرے معبود! اگرچہ میرے گناہ بہت بڑے اور زیادہ ہیں، مگر تیرا عفو میرے گناہوں سے بھی زیادہ بڑا اور وسیع ہے

اِلٰهِيْ اَذِقْنِيْ طَعْمَ عَفْوِكَ يَوْمَ لَا، بَنُوْنٌ وَّمَالٌ هُنَالِكَ يَنْفَعُ

اے خدا! تو مجھے اس دن اپنے عفو کا مزا چکھا ، جس دن نہ اولاد کام آئے گی نہ مال

اِلٰهِيْ اَنِلْنِيْ مِنْكَ رَوْحًا وَّرَحْمَةً، فَلَسْتُ سِوٰى اَبْوَابِ فَضْلِكَ اَقْرَعُ

اے میرے معبود! اپنی طرف سے مجھ کو خوشی و مہربانی عنایت کر، اس لئے کہ میں تیرے فضل کے سوا کسی کا دروازہ بھی نہ کھٹکھٹاؤں گا

اِلٰهِيْ حَلِيْفَ الْحُبِّ بِاللَّيْلِ سَاهِرٌ، يُنَاجِيْ وَيَدْعُوْا وَالْمُغَفَّلُ يَهْجَعُ

خدایا! پابندِ محبت شب بیداری کرتا ہے ، مناجات اور دعائیں مانگتا ہے اور غافل پڑا سوتا ہے

اِلٰهِيْ بِحَقِّ الْهَاشِمِيِّ وَآلِهٖ، وَحُرْمَةِ اَبْرَارِهِمْ لَكَ خُشَّعُ

اے میرے معبود! میں بحق رسول ہاشمیؐ اور ان کی آل، اور ان کے نیکوں کی حرمت کے حق سے تیرے سامنے عاجزی کرتا ہوں

اِلٰهِيْ فَانْشُرْنِيْ عَلٰى دِيْنِ اَحْمَدٍ، مُنِيْبًا تَقِيًّا قَانِتًا لَكَ اَخْضَعُ

الٰہی تو مجھ کو دین محمدؐ پر اٹھا اس حالت میں کہ، میں تیری طرف متوجہ، پاک صاف اور مطیع ہوں اور تجھ سے ڈرنے والا ہوں

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

نعت رسول مقبول ﷺ

گل از رخت آموختہ نازک بدنی را	پھول نے آپؐ کے چہرہ سے نزاکت کا درس لیا ہے
بلبل ز تو آموختہ شیریں سخنی را	بلبل نے آپؐ کے تکلم سے شیریں کلامی سیکھی ہے
ہر کس کہ لبِ لعل ترا دیدہ بہ دل گفت	جس نے آپؐ کے لعل گوں لب دیکھے تو دل سے کہا
حقا چہ خوش کندہ عقیقِ یمنی را	یقیناً اس یمنی عقیق کو خوب صورتی سے تراشا گیا ہے
خیاطِ ازل دوختہ بر قامتِ زیبا	خیاطِ ازل نے آپؐ کی خوب صورت قامت پر
در قد تو ایں جامۂ سروِ چمنی را	سروِ چمن کا حسین جامہ تیار کیا ہے
در عشقِ تو دندان شکستہ است بہ الفت	آپؐ کے عشق میں اپنے دانت گنوا دیئے
تو جامہ رسانید اویسِ قرنیؓ را	تو آپؐ نے اویس قرنیؓ کو جامہ ارسال کیا
از جامیؔ بے چارہ رسانید سلامے	بے چارے جامیؔ کی طرف سے سلام پہنچا دو
بردرگہِ دربارِ رسولؐ مدنی را	سرکارِ مدینہؐ کی بارگاہ میں

پنہاں راز

کیا علم کہ کب جہاں سے ہم اٹھتے ہیں
پیر اپنے مگر سوئے عدم اٹھتے ہیں
ممکن نہیں عمر کو پلٹ کر دیکھے
انسان کے آگے ہی قدم اٹھتے ہیں

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ

سلسلہ عظیمیہ کے امام حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ذکرِ خیر سے پہلے ان کا تعارف پیشِ خدمت ہے۔

نام مبارک — حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے ''حسن اخریٰ'' کا خطاب بطریق اویسیہ عطا ہوا ہے۔ بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان مقدس کلمات سے مخاطب فرمائے جاتے ہیں۔

پیدائش کے بعد نام محمد عظیم رکھا گیا۔ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؒ سے ملتا ہے۔ تخلص برخیاؔ ہے۔ مرتبۂ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی وسماوی اور حاملانِ عرش میں ''قلندر بابا اولیاءؒ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی عرفیت عامۃ الناس میں زبان زدِ عام ہے۔

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں قیام کے دوران طبیعت میں درویشی کی طرف میلان بہت زیادہ بڑھ گیا۔ وہاں مولانا کابلیؒ کے پاس قبرستان کے حجرہ میں زیادہ وقت گزارنے لگے۔ صبح تشریف لے جاتے اور رات گئے واپس آتے۔ اسی اثنا میں قلندر بابا اولیاءؒ اپنے نانا، بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قلندر بابا اولیاءؒ کے والد صاحب کو جب پتہ چلا تو وہ ناگپور تشریف لے گئے اور

باباتاج الدینؒ سے عرض کیا کہ اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔ اسے واپس علی گڑھ بھیج دیجئے۔ استادوں کے استاد، واقفِ اسرار ورموز، حامل علم لدنی باباتاج الدینؒ نے فرمایا:

''اس کو اگر اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب
تک پڑھ چکا ہے تو یہ میرے کام کا نہیں رہے گا۔''

قلندر باباؒ کے والد صاحب نے ایک مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ بیٹے کا میلانِ طبع فقر کی طرف مائل ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر

''بیٹے! تم خود سمجھ دار ہو، جس طرح سے چاہو، اپنا مستقبل تعمیر کرو۔''

انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

قلندر بابا اولیاؒ اپنے نانا تاج الدین اولیاؒ کے پاس نو سال تک مقیم رہے۔ نو سال کے عرصہ میں نانا تاج الدینؒ نے ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ تربیت کے زمانہ میں بے شمار واقعات میں سے چند واقعات کا تذکرہ اور علمی توجیہ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب ''تذکرہ تاج الدین باباؒ'' میں فرمائی ہے۔

حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد کی تعلیمات پوری کر کے خلافت عطا فرمادی۔ اس کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پُرفتوح نے ابدالِ حق کو علمِ حضوری کی تعلیم شروع کی اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہِ راست علم لدنی عطا فرمایا اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی اور اسرار ورموز کا علم عطا ہوا۔

شجرۂ عالیہ

امام حسن عسکریؒ
(گیارہویں امام)

فضیل مہدی عبداللہ عربؒ
(جد امجد دادا، نانا دونوں)
مدینہ سے مدراس تشریف لائے

دادھیال

حسن مہدی رکن الدینؒ
(مدراس سے کشمیر آئے ہری پور ہزارہ میں مقیم ہو گئے
۱۴۹ سال ۸ ماہ عمر پائی)

مخدوم حسین مہدی جمال الدینؒ
عرف اللہ دین

حسین مہدی بدیع الدین شیر دلؒ

حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؒ

ننھیال

حسن مہدی جلال الدینؒ
(مدراس میں رہے)

- حسن مہدی صدر الدینؒ
  - حسن مہدی سراج الدینؒ
    (بندگی شاہ حسینؒ)
    عبدالمقتدرؒ
    - سعیدہؒ
      - حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؒ
        (المعروف قلندر بابا اولیاؒ)
  - حسن مہدی ظہیر الدینؒ
    لاولد
- حسن مہدی بدر الدینؒ
  - محمد تاج الدینؒ
    (غیر شادی شدہ)
    (تاج الاولیا
    حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ)

وقت کی پیمائش ـــ؟

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے:

''اس نے چھ ایام میں تخلیق کیا زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، اس رحمٰن کی شان کسی جاننے والے سے پوچھ۔'' (الفرقان: ۵۹)

خیال اور جسم، یوم کے دو رخ ہیں جو چھ مراحل میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

۱۔وہم ۲۔خیال ۳۔تصور ۴۔احساس ۵۔حرکت ۶۔مظاہرہ

کائنات چھ دائروں میں سفر کرتی ہے۔مخلوقات مختلف گیسوں کا مجموعہ ہیں۔ یہ گیسیں برقی رو یا بجلی کا بہاؤ ہیں۔ برقی رو کا بہاؤ جمادات، نباتات، حیوانات، معدنیات، سماوات، ارض ــــ سب میں ربط ہے۔ ربط زندگی ہے۔ برقی رو ایک طرف رنگ ہے اور رنگ ــــ روشنی ہے۔ روشنی آنکھ کے ذریعے دماغ پر منعکس ہوتی ہے اور رنگوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔تصویر دماغ کی اسکرین پر نظر آتی ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ہم باہر دیکھ رہے ہیں لیکن ہم باہر نہیں ــــ اندر دیکھ رہے ہیں۔نظر اور منظر کے درمیان برقی رو واسطہ ہے۔ جو روشنی، دکھانے کا ذریعہ بن رہی ہے وہ نظر اور منظر دونوں میں مشترک ہے۔ مشترک نہ ہو تو نگاہ نہیں دیکھتی۔

برقی رو دماغ کے خلیوں میں گردش کرتی ہے اور خیالات ایک ذہن سے دوسرے

کائنات میں ہر شے طول موج پر قائم ہے۔طول موج دراصل شکل وصورت ہے۔جس شے کی طول موج کا ادراک ہوجائے وہ فہم بن جاتی ہے۔واقفیت کے لئے ذہن اور شے کی فریکوئنسی کا ایک ہونا ضروری ہے۔

اہرام (Pyramid) ایک، دو، تین، چار، دس، بیس کمروں کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔تعمیر میں خیال رکھا گیا ہے کہ کمروں کی جیومیٹریکل شکل ایک ہو۔اگر آج کوئی پندرہ بیس کمروں کا مکان بنایا جائے جس کی طول موج ایک ہوتو ایسے مکان میں پچاس ہزار سال، ایک لاکھ سال اور دس لاکھ سال تک شے خراب ہوتی ہے نہ اس میں سڑاند پیدا ہوتی ہے۔جیسی ہے، ویسی رہتی ہے۔

ظاہر اور باطن، خیال کی دو سمتیں ہیں۔باطن مادی شعور سے مخفی ہے اور ظاہر نظر آتا ہے۔خیال کا مرکزی نقطہ چھٹی حس ہے۔

خیال برقی رو ہے اور چھٹی حس برقی رو کا مرکزی نقطہ ہے۔یہ نقطہ دماغ کے ہر خلیہ کا مرکز ہے۔''نقطہ''— ہر خلیہ میں روح ہے۔روح — برقی رو کا مخفی رخ ہے۔برقی رو کا ظاہر، مادہ یعنی کروموسوم ہے۔کروموسوم اڑتالیس (48) نقطوں یا اڑتالیس دائروں پر مشتمل ہے۔

کروموسوم کی تین اقسام ہیں۔

★ ایک کروموسوم فرشتوں کا ہے، اس میں جنسی خواہش نہیں ہوتی۔یہ عام نگاہ سے نظر نہیں آتے۔

باطن میں دیکھنے کا ایک اور تجربہ مراقبہ ہے۔ یک سوئی ہو جائے تو مادی آنکھ سے مخفی بہت ساری چیزیں نظر آتی ہیں۔ اکثر کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے۔ بیداری کے حواس میں باطنی دنیا میں داخل ہونے کے لئے یک سوئی شرط ہے۔

ایسی مثالیں بہت کم لیکن موجود ہیں کہ فرد غیر ارادی طور پر ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔ یہ تجربہ باطنی نگاہ سے ہوتا ہے۔ ارادہ کر کے تجربہ کیا جائے تو شرط یہ ہے کہ جسم بتدریج لطیف ہو۔ لطافت بڑھنے سے کثافت کم ہوتی ہے اور جسم ہلکا ہوتا ہے جیسے روشنی۔ اس کے لئے بہت مشق اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد بندہ ارادہ اور اختیار سے کسی بھی شہر جا سکتا ہے چاہے فاصلہ کتنا طویل ہو۔ اس سفر میں وقت، پیمائش سے آزاد ہے۔

دنیا کا ایک رخ لطیف اور دوسرا کثیف ہے۔ تفکر باطن میں ہو تو لطیف دنیا سامنے آجاتی ہے۔ یہ روشنی کی دنیا ہے جس پر مادی دنیا قائم ہے۔ خیال — مادی دنیا سے آزاد ہے۔ جس شے یا جگہ کا خیال آئے بندہ خیال یا تصور میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ خیال میں موجود روشنی سے واقف ہوں تو جسم ہلکا اور روشنی غالب آجاتی ہے۔

فقیر کی ڈاک

''فقیر کی ڈاک'' میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے ماضی میں دیے گئے جوابات کے گل دستہ سے ہر ماہ پھول چُن کر قارئین کی نظر کیے جاتے ہیں۔ قارئین ''ماہنامہ قلندر شعور'' نے اس سلسلہ کو سراہا اور علمی سوالات کے جوابات کے لئے خطوط لکھے ہیں۔ ایسے ہی ایک خط میں کیے گئے سوال کا جواب اس ماہ شامل کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

گرامی مرتبت، روشن ضمیر، اللہ کے دوست عظیمی صاحب،

السلام علیکم

میں طویل عرصہ سے آپ کی تحریریں پڑھ رہا ہوں۔ روشن ضمیری کے بارے میں دل آمادۂ فکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ روشن ضمیری کیا چیز ہے—اس کے بارے میں مجھ عاجز بندہ نے بہت کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ فاضل علما نے بڑی بڑی موشگافیاں فرمائی ہیں لیکن میں ناقص العقل ہوں۔ باوجود یہ کہ میں نے بہت گہرا مطالعہ کیا اور اپنے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر مختلف سوالات کیے لیکن میں ناقص العقل بندہ اس بات کو سمجھ نہیں سکا اور ضمیر مطمئن نہیں ہوا۔ مؤدبانہ التماس ہے کہ علوم روحانی سے اس کا حل عطا فرمائیں۔ ہمیشہ مشکور رہوں گا۔

جمیل احمد۔ ہالینڈ

محترم جمیل احمد صاحب،

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

ناقص العقل بندہ ہی سمجھ دار ہوتا ہے۔ حضرت فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں:

گرچہ دانا باشی و اہلِ ہنر
خویش را کمتر ز ہر ناداں شمر

جو شخص سمجھتا ہے کہ میں دانا و بینا، زیرک اور عقل مند ہوں وہ دراصل—؟

آدمی، انسان یا روح کی ساخت پر بندہ جب ذہن مرکوز کرتا ہے تو ''اندر میں'' ایک ابال آجاتا ہے اور یہ ابال بند ذہن کو کھول دیتا ہے۔ ایسے کھولتے ہوئے پانی پر دیگچی کا ڈھکن اوپر ہوجاتا ہے اور پانی میں پھیلنے کی صلاحیت بھاپ بن کر لامحدود وسعتوں میں گم ہوجاتی ہے۔ آدمی، انسان اور روح کے الفاظ پر تفکر کیا جائے تو یہ تین زاویوں سے بنی ہوئی ایک تصویر یا مکان ہے۔ اینٹ گارے سے بنا ہوا کمرا گھر ہے۔ کمرے کی محدودیت آدمی ہے۔ آدمی کے اندر ایک اور آدمی ''احسن تقویم'' ہے، وہ انسان ہے۔ انسان امرِ ربی ہے اور امرِ ربی روح ہے۔

انسان یا روح کی ساخت اس حقیقت میں منکشف ہوتی ہے ـــــ

۱۔ اول ''واجب'' ذات باری تعالیٰ ہے۔

۲۔ واجب میں کائنات کا وجود اللہ کے ارادہ کے تحت موجود تھا اور ہے۔

۳۔ جب اللہ نے کائنات کا مظاہرہ پسند فرمایا تو حکم دیا ''کن'' یعنی حرکت میں آ۔ چناں چہ کائنات واجب میں جس طرح موجود تھی اس نے پہلی کروٹ بدلی اور حرکت شروع ہوگئی۔

پہلی حرکت یہ تھی کہ موجودات کے ہر فرد کو اپنا ادراک ہوا۔ ہر فرد کی فکر میں یہ بات آئی کہ میں ہوں۔ یہ اندازِ فکر ایک گم شدگی اور محویت کا عالم تھا۔

مخلوق دریائے توحید کے اندر غوطہ زن تھی۔ صرف اتنا احساس تھا کہ میں ہوں ـــــ کہاں ہوں اور کیا ہوں اور کس طرح ہوں ـــــ ادراک نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ روحوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ''الست بربکم'' میں ہوں تمہارا رب۔

یہاں سے انسان یا امرِ ربی کی نگاہ وجود میں آتی ہے۔

امرِ ربی دیکھتا ہے کہ کسی نے مجھے مخاطب کیا ہے اور مخاطب پر اس کی نگاہ پڑتی ہے۔

وہ کہتا ہے'' بلیٰ '' جی ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ میرے رب ہیں۔

یہ ہے وہ مقام جہاں امرِ ربی نے دوسری حرکت کی یا دوسری کروٹ بدلی، اس مقام پر وہ کثرت سے متعارف ہوا۔ اس نے دیکھا میرے سوا اور بھی مخلوق ہے کیوں کہ مخلوق کے ہجوم کا شہود اسے حاصل ہو چکا تھا اور دیکھنے والی نگاہ مل چکی تھی۔ مخلوق کو اپنا احساس اور دوسری مخلوق کی موجودگی کا شہود ہوا۔

قانون: ادراک گہرا ہونے کے بعد نگاہ بن جاتا ہے۔ ادراک جب ہلکا ہو اور خیال کی حدود تک موجود رہے اس وقت تک مشاہدہ کی حالت رونما نہیں ہوتی۔ احساس صرف فکر کی حد تک کام کرتا ہے۔ فکر جب ایک نقطہ پر چند لمحوں کے لئے مرکوز ہوجاتی ہے تو نقطہ خدوخال اور شکل وصورت کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کو مشاہدہ یا شہود کہتے ہیں۔

’’فکر‘‘ نگاہ کی حیثیت میں چند لمحے اور مرکوز رہتی ہے تو نقطہ گویا ہو جاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں نگاہ جو نقطہ کا مشاہدہ کر رہی ہے گویا ہو جاتی ہے یا بولنے لگتی ہے۔ یہ قوتِ گویائی جسے ’’نطق‘‘ کہتے ہیں اگر اس نقطہ کی طرف اور متوجہ رہے تو فکر اور احساس میں رنگینیوں کا چشمہ ابل پڑتا ہے اور فکر نیرنگی کا ہجوم محسوس کرتی ہے۔

توجہ مزید مرکوز ہوتی ہے تو شہود انسانی میں کشش کی لہریں متحرک ہو جاتی ہیں۔ ان لہروں کی ایک صفت یہ ہے کہ اپنے شہود کو جسے وہ دیکھ رہی ہیں یا محسوس کر رہی ہیں، چھو لیتی ہیں۔

انکشاف ہوتا ہے کہ علم ہی کی جداگانہ حرکات یا حالتوں کا نام خیال، گفتار، شامہ اور لمس ہے۔ جس طرح خیال علم ہے، اسی طرح نگاہ بھی علم ہے اور نگاہ کے بعد تمام حالتیں بھی علم ہیں۔ کوئی حالت ان حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی اور علم کی حدود کے اندر درجہ بدرجہ گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہماری فکر اوپر سے نیچے کی طرف سیڑھیاں اترتی ہے اور ہم فکر کی شکل وصورت کو مختلف احساسات کا نام دیتے چلے جاتے ہیں۔

خیال کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے تو شکل وصورت نظر آتی ہے اور شکل وصورت مزید غور وفکر کے اثر سے گفتگو کرنے لگتی ہے۔ اور اضافہ ہوتا ہے تو یہ گفتگو رنگ رنگ لباسوں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

آخری مرحلہ میں ہم ان رنگ رنگ لباسوں کی طرف خود کو کھنچتا ہوا محسوس کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہماری حس ان رنگا رنگ لباسوں کو چھو لیتی ہے۔ یہاں پر ہمارا تجسس ختم ہو جاتا ہے، یہ کیفیت فکرِ انسانی کے لئے لذت کی انتہا ہے۔ اس آخری نقطہ پر پھر فکرِ انسانی کو لوٹنا پڑتا ہے۔ جس چیز کو ابھی ہم نے چھوا تھا ہماری حس اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ یہ حالت ہماری حس کا ردِعمل ہے جو مکانیت اور زمانیت کے فعل کا احساس دلاتی ہے۔ مکانیت شعور اور زمانیت لاشعور ہے۔

دعا گو

خواجہ شمس الدین عظیمی

27 جون 1999ء

مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

میرے نام — نامے

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط اور نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

سامعہ بشارت (کراچی): مضمون ''اربوں کھربوں کا ریکارڈ'' تفکر طلب ہے۔ پانی کا جانور خشکی اور خشکی میں رہنے والا پانی میں نہیں رہتا۔ خشکی اور پانی دو الگ اسپیس ہیں۔ خشکی میں موجودات بظاہر ٹھوس نظر آتی ہیں لیکن ننھا پودا زمین کو چیرتا ہوا باہر نکل آتا ہے۔ یعنی سخت نظر آنے والا خول سخت نہیں ہے۔ اس طرح پتھر میں مینڈک کا نشوونما پانا بتاتا ہے کہ جس اسپیس میں مینڈک کی نشوونما ہو رہی تھی وہ باہر سے ٹھوس لیکن اندر سے خالی ہے۔ پتھر سے باہر نکل کر وہ اس لئے مر گیا کیوں کہ اس نے باہر کی زندگی کے اثرات کو قبول نہیں کیا۔ اس طرح ایک بیج سے پیدا ہونے والے پھلوں کی ایکویشن لاجواب ہے۔ فرد چاہے اس کا تعلق کسی بھی نوع سے ہو، وہ اپنی نوع کا مکمل ریکارڈ ہے۔

(مراقبہ ہال عجمان): ''قلندر شعور'' ذہن کو وسعت دیتا ہے۔ باولی کھچڑی بہت دل چسپ ہے۔ سید اسد علی کا مضمون ''آپ پوچھئے ہم بتائیں گے'' دل چسپ اور روحانی تربیت کے لئے قابلِ ستائش ہے۔ اس طرح کے مضامین آسان اور نصیحت آموز ہیں۔ گزارش ہے کہ کہانیوں کی صورت میں مضامین شائع کیے جائیں۔ رسالہ کا سرورق انگریزی میں بھی شائع کرنے پر غور کیا جائے۔ شکریہ

ماریہ سلیم (لندن): انگریزی سیکشن میں مضمون ''ڈیسٹی نیشن'' پڑھا۔ آسان اور سادہ الفاظ میں مصنف نے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہم آتے کہاں سے ہیں، کہاں جا رہے ہیں اور ہماری منزل کیا ہے۔ انگریزی میں اس جیسے آسان مضامین شامل کیے جائیں کیوں کہ میرے جیسے لوگوں کے لئے جن کا روحانی علوم کا مطالعہ وسیع نہیں ہے لیکن شوق رکھتے ہیں، سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

نمیرا اعظم (کراچی): سفرنامہ دخترِ آدم وحوّا کی مصنفہ کون ہیں۔ مصنفہ کا نام نہ لکھنے کی وجہ کیا ہے—؟ سفرنامہ کی طرز منفرد ہے اور رسالہ میں اچھا اضافہ ہے۔ مزید اقساط کا منتظر ہوں۔

خادم حسین (ملتان): مضامین پڑھ کر میں سوچتا ہوں کہ لکھنے والوں کو اتنے خیالات کیسے آتے ہیں۔ ایک دو بار لکھنے کی کوشش کی لیکن جو لکھا ہے اسے صرف میں ہی پڑھ سکتا ہوں۔ راہ نمائی چاہتا ہوں کہ اچھا مضمون کیسے لکھتے ہیں — ؟

★ **ذہن کو اگر مینوفیکچرنگ مشین سمجھا جائے تو یہ مشین خیالات کو قبول کرتی ہے اور بلوتی ہے جیسے مٹکے میں دہی کو بلو کر مکھن الگ کرتے ہیں۔ کسی آدمی کو لکھنا نہ آتا ہو تو اس کا یقینی حل یہ ہے کہ لکھتے جاؤ، لکھتے جاؤ، لکھتے جاؤ۔ می نویس وی نویس وی نویس۔**

جمیل (کراچی): ''ماہنامہ قلندر شعور'' روحانی سائنس کی کتاب ہے جس کا ہر ماہ انتظار رہتا ہے۔ ہم اس کے مضامین پر اجتماعی تفکر کرتے ہیں۔

طٰہٰ فاروق (بہاولنگر): ماہنامہ قلندر شعور لگوائے دو ماہ ہوئے ہیں۔ امی، ابو اور بہنیں سب پڑھتے ہیں۔ انگریزی سیکشن میں ''اسٹیجز آف دا سیلف'' پڑھ کر میں نے اقرا اور ایلیا نے غور کیا۔ سمجھ میں یہ آیا کہ ہر چیز کے دو رخ ہیں اس طرح کہ ہم ہیں لیکن ہم نہیں ہیں۔ ہم آزاد ہیں لیکن آزاد نہیں ہیں۔ بااختیار ہیں لیکن بے اختیار ہیں۔ ہم صرف کوشش کر سکتے ہیں، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ثمینہ (لاہور): پرتیاہار بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ جس تفصیل سے مصنف نے استدراجی علوم کا ذکر کیا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ کہانی لکھنے سے پہلے یا تو انہوں نے استدراجی علوم کا گہرا مطالعہ کیا ہے یا پھر وہ اس علم کی سدھ بدھ رکھتے ہیں۔ بہرحال منتظر ہوں کہ حمورابی کا روحانی سفر شروع ہوگا تو وہ استدراج سے نکلنے کے لئے کن مراحل سے گزرے گا۔

راغب حسین (ساہیوال): گلستان احمد صاحب کا مضمون ''بتایئے غور و فکر کیا ہے — ؟'' پسند آیا۔ تفکر ہمیں دیکھنا سکھاتا ہے۔ فکر کام نہ کرے تو ہم اندھے، بہرے اور گونگے ہیں۔

شہیرہ قاسم (خانیوال): ''الیکٹران، فوٹان، گٹار اور ستار'' عنوان پڑھ کر لگا کہ مضمون موسیقی پر ہوگا۔ مضمون لہروں پر ہے اور لہروں میں ارتعاش سے ہر ذرہ متحرک ہے۔ گٹار اور ستار بجتے ہیں تو ایک تار کو حرکت دینے سے پورے آلہ میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ عنوان اور مضمون دونوں اچھے لگے۔

نور خالق، کلاس ہشتم (میانوالی): طوطے میاں والی کہانی میں سوال ہے کہ ایک سال کا بچہ بوڑھا کیوں ہوجاتا ہے؟ ایک سال کا بچہ اس لئے بوڑھا ہوجاتا ہے کیوں کہ وقت گزر رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بچہ دو سال کا ہوگیا، دس سال کا ہوگیا۔ اس کی عمر بڑھ رہی ہے لیکن حقیقت میں عمر کم ہو رہی ہے۔ فرض کریں کہ اس کی زندگی سو سال ہے۔ جب وہ دس سال کا ہوا تو 90 سال باقی رہ گئے۔

رخسار انجم (حیدرآباد): میں کلاس چہارم میں ہوں۔ اپنی سہیلیوں کو بھی قلندر شعور کی کہانیاں پڑھنے کے لئے

دی ہیں۔ سب کو بہت پسند آئیں۔ کیا آپ کہانیوں کی تعداد زیادہ کرسکتے ہیں—؟

ندرت کلیم (لاہور): میری بیٹی بچوں کی کہانیاں شوق سے پڑھتی ہے لیکن بچوں کے صفحات کم ہیں، ان میں اضافہ کیا جائے۔

★ **بچوں کے صفحات میں اضافہ کی تجویز زیرِ غور ہے۔**

نومبر 2016ء کے ''آج کی بات'' کے حوالہ سے قارئین کا تفکر پیشِ خدمت ہے:

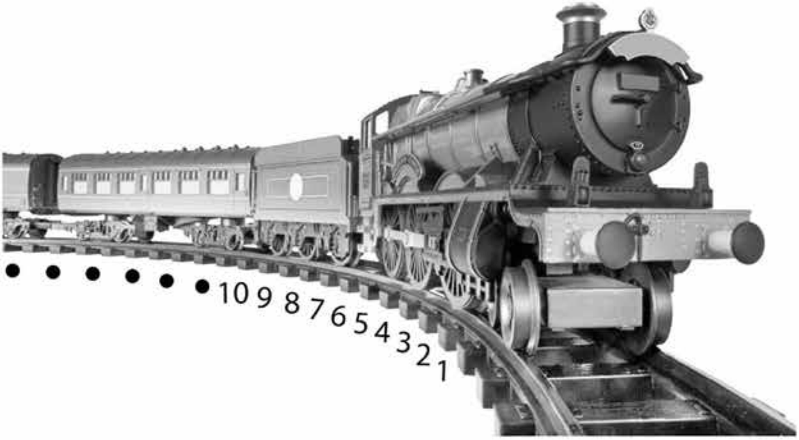

حنا (لاہور): مہینہ میں ایک مرتبہ سلسلہ کی بہنیں اکٹھی ہوتی ہیں اور ہم ''آج کی بات'' کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندگی اور موت کو ریل کی مثال دے کر خوب صورتی سے سمجھایا گیا ہے۔ سمجھ میں یہ آیا کہ جس طرح دوسرے ملک جانے کے لئے وہاں کی زبان، رہن سہن کے بارے میں معلومات ضروری ہے یہاں تک کہ ہم جانے سے پہلے زبان سیکھ کر جاتے ہیں تا کہ پریشانی نہ ہو اور سفر آسان اور خوش گوار ہو جائے، اس طرح اعراف کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔ سیدنا حضور پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''مرجاؤ مرنے سے پہلے۔'' مادی جسم کی نفی اور روح سے واقف ہو کر بندہ موت کے بعد کی زندگی کا وقوف حاصل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں غور و فکر، اسباق، مراقبہ اور بکثرت ''یاحیی یاقیوم'' کا ذکر اس کا طریقہ ہے۔ اس کے ساتھ اخلاقیات کو بہتر کرلیں تو سفر خوش گوار ہو جائے گا۔

مرسلین احمد (راولپنڈی): سوال پوچھا گیا کہ ''ریل کے تختوں کا چھپنا اور ظاہر ہونا کیا ہے؟'' عرض ہے کہ زندگی حرکت پر قائم ہے۔ ازل سے ابد تک حرکت کا نظام ظاہر اور باطن پر مشتمل ہے۔ لمحہ ظاہر ہوتا ہے اور اگلا لمحہ چھپ جاتا

ہے۔ یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ لمحہ کچھ بھی نہیں اس کے باوجود ظاہراور باطن کا نظام ازل تا ابد جاری ہے اور ہر عمل لوحِ محفوظ سے نشر ہوتا ہے اور غائب ہوجاتا ہے۔ یہ سنیما ہال میں نشر ہونے والی فلم کی طرح ہے جو معین وقت پر مناظر کو نشر کرتی ہے۔ ریل اور ریل کی پٹری بہت اچھی مثال ہے۔ پٹری پر تختہ وہ عمل ہے جو لوحِ محفوظ سے نشر ہو رہا ہے اور دوسرے لمحہ چھپ رہا ہے۔ ایک عمل کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا لیکن ہر عمل کی انفرادیت برقرار ہے جیسے فلم کے فیتے پر تصویر الگ الگ ہے لیکن اسکرین پر نشر ہوتی ہے تو وقفہ نظر نہیں آتا۔

عمیرہ یوسف (کراچی): ریل کے لئے تختوں کا چھپنا اور ظاہر ہونا فکشن ہے۔ تختے اپنی جگہ پر ہیں۔ ان میں تغیر واقع نہیں ہو رہا بلکہ دیکھنے کا زاویہ بدل رہا ہے۔ غیب ظاہر غیب ہونا فکشن ہے۔ حقیقت ایک ہے اس لئے ایک تختہ سے واقف ہونا تمام تختوں سے واقفیت ہے۔

بلال خان (کراچی): نظام کائنات لامتناہی سلسلہ ہے اور زندگی اس نظام کو بیان کرنے کا ذریعہ ہے۔ زندگی کے درجات یا اسٹیشن کو لباس سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ہر درجہ کے لباس کا فہم دراصل اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے واقفیت ہے۔ اگر بندہ برقی رو (صفت) سے واقف ہوجائے تو کسی بھی اسپیس میں داخل ہوسکتا ہے۔ ایک زون سے دوسرے زون میں داخل ہونے کا طریقہ یک سوئی ہے۔

علیمہ رفیق (کوئٹہ): ڈائنا سور والی مثال بے مثال ہے۔ جو شے نظروں سے اوجھل ہوجائے ہم اسے ختم ہونا کہتے ہیں لیکن شے ایک جگہ غائب ہوکر دوسری جگہ حاضر ہوجاتی ہے۔ ڈائنا سور کا خیال آنے کا مطلب ہے کہ ڈائنا سور ہمیں اپنی بقا کا پیغام بھیجتا رہتا ہے ورنہ اگر وہ موجود نہیں ہے تو پھر اس کا خیال کیسے آسکتا ہے؟ یہاں کچھ بھی غائب نہیں ہے، سب حاضر ہے— سب غیب ہے— دیکھنے والی نظر چاہیے۔

بی بی ہاجرہ (کراچی): پیدائش اور موت دائرہ میں سفر ہے۔ ریل کی پٹری کی طرح اجسام (تختے) الگ ہیں لیکن ریل ایک ہے۔ غور کریں تو تختے بھی ایک ہیں مگر درمیان میں فاصلہ کی وجہ سے ان کو ایک، دو اور تین کہا جاتا ہے۔ جس طرح ریل پٹری سے جڑی ہوئی ہے ہم سب روح سے جڑے ہوئے ہیں۔ زندگی جس رفتار سے گزرتی ہے اسی مناسبت سے حواس تشکیل پاتے ہیں۔ دن کو ہم بیداری کہتے ہیں، درحقیقت وہ بیداری نہیں غفلت ہے۔ آدمی جاگتا ہے تو رفتار کم ہوجاتی ہے۔ رفتار مثبت خیالات سے تیز اور منفی خیالات سے کم ہوتی ہے۔ خیال کی قوت سے ہم ماضی اور مستقبل میں سفر کرتے ہیں۔ ہم کیا ہیں، یہ جاننے کے لئے ہمیں روح سے واقف ہونا ہے۔

ڈاکٹر زبیر احمد

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

دن کے حواس میں وقت کا تعین وقفوں میں کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک سیکنڈ کے بعد دوسرا سیکنڈ۔ اس ایک اور دو کے درمیان جو کچھ ہے وہ ـــــ وقفہ ہے۔ رات کے حواس میں وقفہ مغلوب ہوجاتا ہے۔

شعور ہر بات سائنسی بنیادوں پر جاننا چاہتا ہے۔ سائنس سے مراد شے کے پسِ پردہ کام کرنے والی طول موج یا جن بنیادوں پر شے قائم ہے اس کا کھوج لگانا ہے تاکہ شعور روحانی علوم سے واقف ہو— ایسا علم جس کے نتائج تبدیل نہیں ہوتے۔ اولیائے کرام سے ظاہر ہونے والی خرقِ عادت کرامت کہلاتی ہے۔ کرامت ہو یا معجزہ، پسِ پردہ معین مقداروں کا قانون ہے جو شے کا فارمولا ہے۔

حاملِ علمِ لدنی حضور قلندر بابا اولیاؒ کی کرامات میں اسرارِ تجلیات مخفی ہیں۔ تفصیلی ذکر کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں ہے۔ زیرِ نظر مضمون ابدالِ حق کی کرامات میں سے چند کرامات کی توجیہ پیش کرنے کی عاجزانہ کوشش ہے۔

ایک کبوتر کو بلی کھا گئی۔ ابدالِ حق کے تصرف سے وہ زندہ ہوگیا۔ کائنات، صفات کا علم ہے۔ صفات روشنیوں کی شکل میں ہمہ وقت متحرک ہیں اور مختلف اجسام تشکیل کرتی ہیں۔ اللہ کی نشانیوں پر تفکر سے کائناتی علوم حاصل ہوتے ہیں۔ مخلوق بقا سے فنا اور فنا سے بقا کی طرف گام زن ہے۔ ہر شے کی مقداریں معین ہیں اور مقداروں کا علم اللہ اپنے خالص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

''جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں میں ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتا ہوں۔'' (العنکبوت: ٦٩)

حضور قلندر بابا اولیاؒ —اللہ کے خالص بندوں میں سے ہیں اور ''امر'' سے واقف ہیں۔ کبوتر جن مقداروں سے بنا ہے، ابدالِ حق نے تصرف فرما کر ان مقداروں کو مرکب کر کے کبوتر زندہ کردیا۔

''قرآن پاک میں تخلیق کا راز بیان ہوا ہے۔ اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو'' اور وہ ہوجاتی ہے۔'' (یٰسٓ: ٨٢)

اس آیت پر غور کیا جائے تو لفظ کے اندر جو راز ہے ان رازوں کو حرکت میں لانے کا انکشاف ہوجاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''کن'' تو ان کا مخاطب کوئی شے ہوتی ہے جو ابھی تک ظہور میں نہیں آئی لیکن جب اسے ظہور میں آنے کا حکم دیا گیا تو یہی حکم اس شے کے اندر میکانکی حرکت بن گیا۔ غورطلب یہ ہے کہ شے کے ظہور کی ماہیت اور طرز کیا تھی۔ یہ ماہیت وہ تصورات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں موجود ہیں لیکن ان کی طرز میں کوئی ترتیب نہ تھی، ترتیب نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ کوئی شے لا تناہیت میں پھیلی ہوئی ہے جب ارادہ نے شے کے تصور کو لا تناہیت سے اخذ کیا تو شے کی ایک صورت بن گئی۔ اب شے کی صورت ایک علم بن گئی اور علم لفظ ہے یعنی جس وقت شے کے مجموعی تصورات علم کا سانچا بن گئے تو لفظ کہلائے پھر شے کی ہستی لفظ کی گرفت میں آ گئی اور لفظ اسے پردہ (کتاب المبین) سے باہر کھینچ لایا۔'' (لوح وقلم)

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں پیدائشی گونگی بہری لڑکی کو پیش کیا گیا۔ لڑکی کو مخاطب کرکے نام پوچھا جواب نہ ملنے پر دوبارہ پوچھا۔ پھر تیسری مرتبہ جلالی انداز میں نام پوچھا اور لڑکی نے بولنا شروع کردیا۔

قارئین! آواز کی لہریں کان کے تینوں حصوں سے گزر کر ایک مائع میں داخل ہوتی ہیں۔ ان لہروں سے مختلف طول موج بنتی ہے جو اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہے۔ ردعمل میں دماغ جواب دیتا ہے یا سننے کے حواس فعال ہوتے ہیں۔ ماحول میں ایسی آوازیں بھی ہیں جو ہماری سماعت سے ماورا ہیں۔ آدمی کی سماعت کا دائرہ 20 ہرٹز سے 20 ہزار ہرٹز فریکوئنسی تک ہے جب کہ ورائے صوت موجوں کی فریکوئنسی 20 ہرٹز سے کم اور 20 ہزار ہرٹز سے زیادہ ہوسکتی ہے اس لئے ہمارے کان ان آوازوں کو نہیں سنتے۔

روشنی لہروں میں سفر کرتی ہے۔ لہروں کے مختلف طول موج اور فریکوئنسی ہوتی ہیں۔ زیادہ طول موج والی لہروں کی فریکوئنسی کم جب کہ کم طول موج والی لہروں کی فریکوئنسی زیادہ ہوتی ہے۔

آواز بولنے، سننے اور دیکھنے کے تعلق کو یک جان کرکے شے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ قوت گویائی سے محروم افراد مقداروں میں کمی بیشی سے اس حس سے محروم ہوجاتے ہیں جب کہ کچھ افراد پیدائشی گونگے اور بہرے ہوتے ہیں — وجہ یہ ہے کہ نشوونما کے دوران ماں جس ماحول میں رہتی ہے وہ نشوونما پر اثر انداز ہوتا ہے۔

برقی مقناطیسی لہروں کو سفر کے لئے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ یہ پانی اور ہوا کے بغیر آگے بڑھتی رہتی ہیں۔ فریکوئنسی بہت بڑھ جائے تو موجیں شعاعیں بن جاتی ہیں جو سیدھ —— میں سفر کرتی ہیں۔ ان لہروں کے کم طول موج اور زیادہ فریکوئنسی کی وجہ سے کسی چیز میں سے گزر جانے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

تخلیقی فارمولوں کے حامل عظیم سائنس دان حضور قلندر بابا اولیاءؒ آواز کی فریکوئنسی کو اس سطح پر لے آئے جس

کی۔ پھر حکم دیا۔مریض میکانیکی طور پر کھڑا ہوا اور سیڑھیاں اتر کر چلا گیا۔

برقی رو دماغ سے گزر کر جسم میں گردش کرتی ہے اگر برقی رو کسی عضو سے نہ گزرے تو مقداروں میں فرق آنے سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔اولیاءاللہ کے تصرف کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے برقی رو مریض کے دماغ میں منتقل کرتے ہیں اور ارادہ میں یہ امر ہوتا ہے کہ مرض ختم ہوگیا—برقی رو کا ہجوم منتشر ہوکر اعتدال قائم ہوجاتا ہے۔

ہر شے خلا ہے۔خلا میں معین مقداریں ہیں۔معین مقداریں شکل وصورت ہیں۔کچھ اشکال مادی آنکھ کو نظر آتی ہیں اور بہت سی نظر نہیں آتیں۔مٹھاس اور نمک کی مقداروں میں اعتدال نہیں رہتا تو مقداروں میں کمی بیشی سے بلڈ پریشر کی شکایت ہوجاتی ہے۔

کٹورے میں انگلیاں ڈالیں تو پانی میں نمک کی مقداریں زیادہ ہوگئیں اور میٹھا پانی کڑوا ہوگیا۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی بندہ کا شعوری نظام، لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر مغلوب ہوجاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں اور لوگ انہیں کرامت کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں جو سب بھان متی ہے۔روحانی علوم اور روحانیت

کوڑے کے ڈھیر میں آگ لگاتے ہیں تو وہ جلنے لگتا ہے اور کوڑے کی زندگی بدل جاتی ہے۔کوڑے کا آگ سے کیا رشتہ—؟اسی کوڑے سے آگ نکلتی ہے جہاں ایک سیکنڈ پہلے آگ کا نشان موجود نہیں تھا۔یہ بات الگ ہے کہ کوڑا آخر میں راکھ بن جاتا ہے مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ لال شعلے جو کوڑے میں سے نکلے تھے وہ کہاں سے آئے اور کہاں گئے—؟ سوچنا یہ ہے کہ کوڑے سے لال شعلوں کا اور جلنے کا کیا رشتہ ہے۔ہے بھی یا نہیں—؟

اس سلسلہ میں قارئین طبع آزمائی کرسکتے ہیں۔

بالکل الگ ہے۔اعمال وحرکات میں خرق عادت اور کرامت خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہوجاتی ہے۔خرقِ عادت آدمی کے اندر ایک ایسا وصف ہے جو مشق کے ذریعہ متحرک کیا جاسکتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی ہستی قدرت کا سربستہ راز ہے۔ حدیث قدسی ہے:

''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔''(صحیح بخاری)

کہتا ہے کوئی غمزدگی اچھی ہے　　کہتا ہے کوئی کہ بے خودی اچھی ہے
اک آن میں کر دیتی ہے کُل قصہ پاک　　میں کہتا ہوں سب سے موت ہی اچھی ہے

ایک بادشاہ شان وشوکت کے ساتھ سپہ سالاروں اور غلاموں کے ہم راہ قیمتی کپڑے زیب تن کیے بہترین گھوڑے پر سوار محل سے نکلا۔ شاہی سواری کے سامنے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک بوڑھا آداب بجا لایا مگر مغرور بادشاہ نے توجہ نہیں کی۔ بوڑھے نے لگام پکڑ کر بادشاہ کے گھوڑے کو روک دیا اور بادشاہ سے کہا:

کچھ عرض کرنا ہے۔

بادشاہ تکبر سے بولا، بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ واپسی کا انتظار کر۔

بوڑھے نے جواب دیا، میں انتظار نہیں کرسکتا !

لہجہ میں ایسا رعب تھا کہ بادشاہ نہ چاہنے کے باوجود بولا، کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟

بوڑھے نے کہا، جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ کسی اور کو معلوم نہ ہو۔ بادشاہ نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔

بوڑھے نے سرگوشی کی ـــ اے مغرور بادشاہ! میں ملک الموت ہوں۔

بادشاہ پر سکتہ طاری ہو گیا اور منت سماجت شروع کر دی کہ تھوڑی دیر کی مہلت دے دو تا کہ میں بیوی بچوں کو دیکھ لوں۔ ملک الموت نے کہا، ایک لمحہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکو گے کیوں کہ تمہاری عمر کا صرف ایک لمحہ باقی رہ گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہ کو ہچکی آئی اور گھوڑے پر سے زمین پر گر گیا۔

ملک الموت ایک مومن کے پاس گیا۔ سلام کرنے کے بعد عرض کیا، آپ سے راز کی بات کہنی ہے۔

مومن نے خوش دلی سے عرض کیا، میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ بوڑھے نے کہا، میں ملک الموت ہوں، سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

مومن نے کہا، الحمدللہ! تم آ گئے۔ عرصہ سے منتظر تھا کہ تم آؤ اور میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کرسکوں۔

ملک الموت نے کہا، بتایئے میں کس طرح سے روح آپ کے جسم سے الگ کروں؟

فرمایا، اتنی مہلت دو کہ وضو کر کے سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں اور تم میری روح نکال لو۔

بڑوں سے سنا ہے ـــ اولیاء اللہ کے لئے موت سب

سے خوب صورت لمحہ ہے اس لئے ان کی موت کو وصال یعنی محبوب سے ملاقات کی گھڑی کہا جاتا ہے اور وصال کے دن عرس یعنی خوشی کا دن منایا جاتا ہے۔

وصال کے وقت بابا رحمکار حضرت کاکا صاحبؒ نے کم زوری کے باوجود فرمایا کہ مجھے مسجد لے جاؤ۔

جمعہ کے خطبہ کے دوران فرمایا، ''موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچاتا ہے۔''

اور وصال فرما گئے۔

خواجہ عبداللہ انصاری المعروف پیرِ ہراتؒ فرماتے ہیں:

''اس معبود کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ کے دوستوں کے لئے اس دن سے زیادہ مبارک اور خوشی کا دن نہیں ہوتا جب ملک الموت ان کے پاس آتا ہے۔ عزرائیلؑ کہتے ہیں کہ خوف زدہ نہ ہو، تم سب سے زیادہ رحم کرنے والی ہستی کے پاس جا رہے ہو — اصلی وطن واپس جا رہے ہو۔ دنیا جہاں تو ایک منزل اور مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ یہاں جینا بہانہ ہے۔ حقیقت کی طرف لوٹنا ہے تاکہ ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو۔''

امیر المومنین حضرت علیؓ پر بد بخت عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے وار کیا۔ زبان مبارک سے الفاظ ادا ہوئے:

''کعبہ کے رب کی قسم، میں کام یاب ہوا۔''

اس زخم میں آپ شہید ہوئے۔

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں۔ میں نے تیمارداری کی۔ امیر المومنین حضرت علیؓ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اماں! میں نہانا چاہتی ہوں۔ پھر انہوں نے نئے کپڑے پہنے۔ بستر پر لیٹیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھ کر فرمایا، میں اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں، کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں۔ اس کے بعد وہ جہانِ فانی سے پردہ فرما گئیں۔

حضرت ربعیؓ بن حراش فرماتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی حضرت ربیعؓ روزہ دار تھے۔ باقاعدگی سے نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے تھے۔

انتقال کے بعد یکایک بڑے بھائی نے اپنے چہرہ سے کفن ہٹایا اور کہا، اے برادران السلام علیکم!

جواب دیا، وعلیکم السلام!

ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ موت کے بعد بھی بات کرتے ہیں —؟

حضرت ربیعؓ نے جواب دیا، ہاں! تم سے جدا ہو کر جب پروردگار عالم سے ملا تو اسے غضب ناک نہیں دیکھا۔ اس نے مجھ پر رحمتوں کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، روزی اور جنت کے لباس مرحمت فرمائے۔

سنو! حضرت ابوالقاسم رسول اللہؐ میری نماز پڑھنے کے منتظر ہیں، دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو۔

یہ قصہ جب حضرت عائشہؓ کو سنایا گیا تو فرمایا، مجھے یاد ہے ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت

میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔

عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کی طرزِ فکر پر عمل کیا جائے تو آدمی کے اوپر خوف اور غم مسلط نہیں ہوتا، وہ عدم تحفظ کے احساس سے دور رہتا ہے۔ موت چوں کہ اٹل حقیقت ہے اس لئے وہ مرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب وہ مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو موت اس کے لئے دنیا کا سب سے خوش نما امر بن جاتی ہے۔ اسے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ موت بھیانک شے نہیں ہے بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ جس طرح اس رنگ و بو کی دنیا میں وہ زندگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوسرے عالم میں کھاتا پیتا ہے، جاگتا ہے، سوتا ہے، روحانی اور جسمانی تمام ضروریات پوری کرتا ہے — یہ بات محض قیاسی نہیں ہے بلکہ ہر آدمی اس دنیا میں رہتے ہوئے دوسری دنیا یا دوسری زندگی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

مقصدِ حیات دنیا بن جائے تو آدمی غم و غصہ، رنج و فکر، حسد، جلن، بدخواہی، تنگ نظری، مردہ دلی اور دماغی الجھنوں میں مبتلا ہو کر اخلاقی بیماریوں اور ذہنی الجھنوں کا شکار بن جاتا ہے۔ معدہ متاثر ہوتا ہے اور معدہ کا فساد، صحت کا بدترین دشمن ہے۔ صحت خراب ہونے سے آدمی بزدل ہو جاتا ہے — اس کے اوپر خوف رہتا ہے۔

ایک مجلس میں ابدالِ حق نے فرمایا:

زمانہ گزرا ایک آدم زاد اتنی بڑی عمر کو پہنچ گیا کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ گزر بسر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتا تھا۔ ایک روز لکڑیاں زیادہ جمع کر کے گٹھڑا باندھ لیا لیکن اٹھاتے وقت ہاتھوں میں لرزہ آ گیا۔ خون پانی بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔ حسرت سے آہ بھری اور بولا، مجھ سے تو ملک الموت بھی روٹھ گیا ہے، میرے حال پر رحم نہیں آتا، میں اب کیوں زندہ ہوں، میرے سب مر کھپ گئے، موت کیوں نہیں آتی؟

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک خوب صورت نوجوان سیدھی طرف آ کر کھڑا ہو گیا، سلام کیا اور پوچھا:

بزرگو! کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

پوچھا، تم کون ہو؟

نوجوان نے کہا: میں ملک الموت ہوں، آپ نے یاد کیا، میں حاضر ہو گیا۔

وہ صاحب فوراً بولے، لکڑی کا یہ گٹھڑا اٹھا کے میرے سر پر رکھ دے، تیری مہربانی ہوگی۔

حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ نے پیر و مرشد سے عرض کیا، فنا اور بقا کیا ہے —؟

فرمایا، جب وقت آئے گا، تمہیں بتا دیا جائے گا۔

حضرت صابر کلیریؒ کی نماز جنازہ کے وقت گھوڑے پر سوار ایک نقاب پوش آیا اور امامت کی۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ کے دل میں یہ بات آئی کہ نام دریافت

کریں ورنہ بات راز رہے گی کہ امامت کس نے کی۔
نقاب پوش کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ خواجہ ترکؒ نے کچھ دور جا کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور پوچھا، آپ کا نام کیا ہے؟ سوار نے چہرہ سے نقاب اٹھایا— فقیر کی نمازِ جنازہ خود فقیر نے پڑھائی ہے۔

پیرو مرشد کا چہرۂ پُر نور دیکھ کر خواجہ ترکؒ حیرت زدہ ہوگئے۔ مرشد نے جسم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، شمس الدین! حیرت کی بات نہیں ہے— وہ فنا ہے، یہ بقا ہے۔ الحمدللہ ہم نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی حقیقت سے تمہیں آگاہ کر دیا!

عرف عام میں جسے ہم مرنا یا مردہ ہونا کہتے ہیں اس کے بارے میں سمجھا یہ جاتا ہے کہ مرنے کے بعد صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ بیداری مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ موت بظاہر بھیانک لیکن بباطن اس قدر خوش نما اور حسین ہے کہ جس کے اوپر ہزار جانیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ موت ایسا عمل ہے جو حاصلِ زندگی ہے۔ مرنے کے بعد انسان زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہو کر تصور اور خیال کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ ہوائی جہاز کی ضرورت پیش آتی ہے نہ خلائی جہاز (Space Ship) کی۔ وجہ وہ خفیہ صلاحیتیں ہیں جن سے وہ بیداری میں واقف نہیں تھا، سب بیدار ہو جاتی ہیں۔ کسی طرح سے مرنے کے بعد کی زندگی کا سراغ لگا لیں تو اس زندگی میں صبر آزما اور ہمت شکن انتظار سے نجات پا سکتے ہیں۔ سرور کائنات رسول اللہؐ نے ایسی زندگی اپنانے کے لئے فرمایا ہے:

موتو قبل ان تموتوا

ترجمہ: مر جاؤ مرنے سے پہلے۔

یعنی اس زندگی میں موت کے بعد زندگی سے واقف ہو کر اپنے اوپر سے قید و بند کی تہ در تہ اور دبیز چادر اتار دو۔

مولانا رومؒ نے انتقال سے قبل دوستوں سے فرمایا:
''میرے جانے سے ناامید اور غمگین نہ ہونا۔ دیکھو منصور حلاجؒ کی روح نے ڈیڑھ سو سال کے بعد حضرت شیخ فریدالدینؒ کو فیض پہنچایا ہے۔ فرمایا، گو میرا تعلق بدن سے چھوٹ جائے گا لیکن تم لوگوں کے ساتھ جو تعلق ہے وہ باقی رہے گا۔''
شیخ صدرالدینؒ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت جلد شفا عطا فرمائیں۔ مولانا رومؒ نے ہنس کر فرمایا کہ بس اب یہ شفا تم ہی لوگوں کو مبارک ہو۔ اس وقت ذرا سا پردہ مطلوبِ حقیقی میں باقی رہ گیا۔ اب بھی تم لوگ نہیں چاہتے کہ نور— نورِ حقیقی سے مل جائے۔

کتاب ''سپر برین ان اسلام'' میں امام جعفر صادقؒ اور جابر کا مکالمہ درج ہے۔ جابر نے پوچھا، ''کیا دین اسلام میں پاداش (نتیجہ) کی بنیاد موت سے ڈرنے پر

رکھی گئی ہے؟ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: ''موت سے ڈرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ موت کے بعد پاداش سے خوف کی بنیاد پر ہے۔ مومن موت سے نہیں ڈرتا— اسے موت کے بعد سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ وہ موت کے بعد سزا سے بچنے کے لئے ساری عمر جن باتوں سے منع کیا جاتا ہے ان سے پرہیز کرتا ہے۔ ایک مومن جو گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا— میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ موت کی دعوت کو لبیک کہتا ہے اور روح آسانی سے جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔''

پوچھا: تخلیق ہونے کے بعد مخلوق کیوں مرتی ہے؟

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: اے جابر! میں نے کہا ہے کہ موت جس طرح عام لوگ تصور کرتے ہیں، وجود نہیں رکھتی بلکہ ایک حالت کی تبدیلی ہے۔ میں یہ بات دہراتا ہوں کہ مومن اگر عالم ہے تو اس حالت کی تبدیلی سے نہیں ڈرتا کیوں کہ اسے علم ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوگا۔

حضرت امام جعفرؒ — حضرت امام محمد باقرؒ کے فرزند ہیں۔ حاملِ علمِ لدنی حضور قلندر بابا اولیاؒ بھی اسی محترم خاندان کے خانوادہ ہیں۔ انہوں نے موت و زیست کے راز کی سائنسی ذہن کے مطابق عقدہ کشائی فرمائی ہے۔

ابدال حق سے شاگرد نے پوچھا: سرکار! روح اور مادی وجود کیا ہے؟

فرمایا: جسمانی وجود روح کا لباس ہے۔ ہر انسان اس بات سے واقف ہے کہ وہ آرام اور جسم کو سرد و گرم سے محفوظ رکھنے کے لئے لباس بناتا ہے۔ لباس پتوں کا ہو، درخت کی چھال کا ہو، کھال کا ہو، سوت کا ہو، اون کا ہو یا نائلون کا ہو— لباس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جسم کو اس طرح ڈھانپ لے یا جسم کے ساتھ اس طرح وابستگی ہو جائے کہ جسم چھپ جائے اور لباس ظاہر ہو جائے۔ ایسی صورت میں لباس کی حرکت جسم کے تابع ہو جاتی ہے۔ جسم میں حرکت ہوتی ہے تو لباس میں بھی حرکت ہوتی ہے۔ جسم میں حرکت نہیں ہوتی تو لباس میں بھی حرکت نہیں ہوتی۔

عرض کیا: مزید وضاحت فرما دیجیے۔

فرمایا: ایک آدمی ہے۔ گوشت پوست اور اعضا کا بنا ہوا مکمل آدمی۔ اس آدمی نے لباس پہن لیا، جسم کے اوپری حصہ پر قمیص پہن لی اور باقی حصہ پر شلوار یا پتلون پہن لی۔ اب ہم اس آدمی سے یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ ہلاؤ لیکن آستین نہ ہلے۔ بندہ اس سلسلہ میں عاجز ہے اس لئے کہ آستین کی حرکت جسمانی وجود کے تابع ہے۔ ہاتھ ہلے گا تو آستین ہلے گی۔ ہاتھ نہیں ہلے گا تو آستین نہیں ہلے گی۔

شاگرد نے پوچھا: اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی جسم روح کا لباس ہے۔

فرمایا: میں یہ کہہ رہا ہوں کہ روح اصل ہے جسم قائم مقام ہے یعنی مادی وجود جو عناصر کا مرکب ہے— وہ لباس ہے۔ روح جب تک عناصر سے مرکب تخلیق یعنی مادی وجود کو اپنے اوپر لباس کی طرح پہنے رہتی ہے، مادی

وجود میں حرکت ہوتی ہے۔

سوال کیا کہ عناصر سے تخلیق شدہ مادی وجود کی حیثیت نہیں؟

فرمایا: حیثیت ہے لیکن حرکت میں ذاتی عمل دخل نہیں ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے مردہ جسم کی ہے۔ مادی وجود سے جب روح رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو تمام اعضا موجود ہونے کے باوجود حرکت نہیں ہوتی۔ مذہبی رسومات کے تحت مردہ جسم کو قبر میں اتار دیا جائے یا جلا دیا جائے یا چیل کووں کو کھلا دیا جائے، پوسٹ مارٹم کر کے عضو عضو الگ کر دیا جائے، مادی وجود میں کوئی حرکت واقع نہیں ہوتی لیکن جب تک روح مادی وجود کو لباس کی طرح پہنے رہتی ہے تو سوئی چبھنے کا بھی درد ہوتا ہے۔

27 جنوری جس برگزیدہ ہستی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے دنیا بھر سے زائرین حاضر ہوتے ہیں، وہ برگزیدہ ہستی کہاں ہے؟ غیب کے عالم میں محوِ استراحت ہے۔ غیب کی دنیا باطن کی دنیا ہے اور باطن زمان ہے۔ مادی وسائل کا محتاج بندہ اس ہستی کو ڈھونڈنے نکلا ہے جس نے نوع انسانی کو زمان اور مکان کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔

وصال سے ایک ہفتہ پہلے حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اب میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کا مہمان ہوں۔ جس روز وصال ہوا، صبح سویرے اپنے داماد، محمد جمیل صاحب سے فرمایا، آج تم کہیں نہ جانا، میرا کچھ پتہ نہیں۔ دوپہر کے بعد فرمایا، تم گھر میں ہی رہنا۔ اس وقت میرے پیروں کی جان نکل چکی ہے۔

وصال سے تین گھنٹے پیش تر شاگرد رشید خواجہ صاحب کو طلب فرمایا اور کہا:

''مجھ سے مصافحہ کرو۔''

اس سے پہلے کبھی کسی سے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔

27 جنوری 1979ء کی شب ایک بجے شب بیدار، خدا رسیدہ بندہ نے اللہ کے حضور حاضری دی اور مستقل حضوری میں تشریف لے گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون!

نماز جنازہ میں انسانوں کے علاوہ لاکھوں فرشتے صف بستہ تھے۔ حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، عاشق رسول حضرت اویس قرنیؓ، اولیا کے سرتاج حضرت غوث الاعظمؒ گرامی قدر اپنے فرزندِ سعید کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ حد نظر تک اولیاء اللہ کی ارواح تھیں۔

کہتا ہے کوئی غمزدگی اچھی ہے
کہتا ہے کوئی کہ بے خودی اچھی ہے
اک آن میں کر دیتی ہے کُل قصہ پاک
میں کہتا ہوں سب سے موت ہی اچھی ہے

خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشنل سوسائٹی کا منصوبہ برائے فروغ تعلیم

EDUTECH COLLEGE

COLLEGE FOR BOYS & GIRLS

شاندار نتائج، اسکالرشپ — روزانہ ٹیسٹ کا نظام

کم فیسوں میں اعلیٰ معیار تعلیم — کامرس گروپ میں بورڈ میں پوزیشن

F.A / B.A / B.Ed / M.A / M.Sc / M.Phil
I.Com / B.Com / M.Com / L.L.B / Ph.D

کوٹلی بہرام، گوہدپور روڈ، سیالکوٹ

052-4000100 / 0345-7120100

facebook : edutech sialkot, Email : edutechskt@gmail.com

عبدالوحید نظامی

مٹی کی سائنس

نبی کریمؐ مدینہ میں ایک باغ کے قریب سے گزرے۔ صحابہ کرام ہم راہ تھے۔ آپؐ کی نظر ایک جلیل القدر صحابی پر پڑی جن کے جسم پر گارا چپکا ہوا تھا۔ مٹی کے اندر ان کا انہماک اتنا زیادہ تھا کہ انہیں آپؐ کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ یک سوئی اور کام میں توجہ بتا رہی تھی کہ وہ مٹی کی گہرائیوں میں غور کر رہے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا اور دوسرے صحابہ سے فرمایا، یہ ابوتراب ہیں ابوتراب۔ تراب کے معنی مٹی کے ہیں۔ ابوتراب کا مطلب ہے مٹی کی پرورش کرنے والا۔ مٹی کی پرورش سے مراد مٹی کے اندر تخلیقی فارمولوں کو متحرک کرنے والا۔ یہ جلیل القدر صحابی دامادِ رسول حضرت علیؓ ہیں جنہیں نبی کریمؐ نے ابو تراب کا خطاب دیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ کے لگائے ہوئے باغ آج بھی مدینہ کی آبادیوں میں موجود ہیں۔

علومِ تصوف کی تاریخ میں مٹی میں مخفی فارمولوں کا انکشاف امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات میں ہے۔ مٹی کا فارمولا، فارمولوں سے تخلیقات، تخلیقات کا میکانزم اور میکانزم کی سائنس کو ابدالِ حق نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے حکم سے لکھی گئی کتاب ''لوح و قلم''، اور شعر و ادب کی تصنیف ''رباعیات قلندر بابا اولیاءؒ'' میں مٹی میں مخفی فارمولوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ سائنسی فارمولوں کو اشعار میں بیان فرمانا اور رباعی کے اندر مکمل کرنا عظیم روحانی سائنس دان حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا اعجاز ہے۔

رباعی ملاحظہ فرمائیے۔

باغوں میں جو قمریاں ہیں سب مٹی ہیں
پانی میں جو مچھلیاں ہیں سب مٹی ہیں
آنکھوں کا فریب ہے یہ ساری دنیا
پھولوں میں جو تتلیاں ہیں سب مٹی ہیں

رباعی میں آبی، خاکی اور ہوائی مخلوق کا تذکرہ ہے۔ آدمی اور چوپائے زمین پر چلنے کے لئے پیروں کا استعمال کرتے ہیں یعنی ایک پیر پیچھے دھکیلتے ہیں تو دوسرا قدم آگے اٹھتا ہے۔ مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوقات پروں اور دم کی مدد سے پانی کو پیچھے دھکیل کر آگے سفر کرتی ہیں۔ پرندے پروں اور دم کی مدد سے ہوا کو پیچھے دھکیلتے ہیں اور ہوا کا دباؤ ان کو آگے

بڑھا کر اوپر اٹھاتا ہے۔

حرکت کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ توانائی

۲۔ فعل (کام)

۳۔ مفعول (جس پر کام ہو رہا ہے)

فاعل (کام کرنے والا) اور مفعول کے درمیان جو میکانزم کام کرتا ہے وہ توانائی ہے۔ توانائی دو طرح کام کرتی ہے۔

۱۔ کشش

۲۔ گریز

کشش اور گریز کا قانون ہر شے میں کام کر رہا ہے۔ مٹی کی مدد سے سمجھا جائے تو کہا جائے گا کہ مٹی کسی چیز کو اپنی طرف کھینچتی یا دھکیلتی ہے۔ شے کو اپنی جانب متوجہ کرنا یعنی کھینچنا کشش ہے ۔کشش کا دوسرا رخ گریز ہے یعنی شے کا دور ہونا۔ دونوں قوتیں کائنات میں کارفرما ہیں اور ہر مخلوق کی زندگی اس کے تابع ہے چاہے وہ آبی مخلوق ہو خاکی یا ہوائی ہو۔

مٹی کیا ہے —؟ ظاہر میں پتھروں ، کنکروں اور ذرات کا مجموعہ مٹی ہے۔ مٹی کے ذرات میں توڑ پھوڑ کی جاتی ہے تو رنگوں کی شعاعیں رہ جاتی ہیں ۔ شعاعیں لہریں ہیں جو حرکت کرتی ہیں، لہروں سے کشش اور گریز کی قوتیں تخلیق پاتی ہیں۔

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اڑ کر
دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی کی کشش سے بچ کر کہاں جائیں گے
مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر

یہ رباعی کشش اور گریز کا فارمولا ہے — تفکر سے کائناتی راز منکشف ہوتے ہیں۔ مٹی کے ذرات کی انتہا ایٹم اور ایٹم کے اندر الیکٹران ، پروٹان کے درمیان کشش اور گریز کی قوتوں کے مظاہرہ سے مادی سائنس کسی حد تک واقف ہے۔ روشنی فوٹانوں کے ذریعے الیکٹران سے ٹکراتی ہے تو نیوکلیس کے گرد الیکٹران کی کشش میں شامل ہو کر رنگ مظہر بنتے ہیں۔

فوٹان کے پیچھے ایک شعور کام کر رہا ہے۔ فوٹان اس شعور کے مطابق اس ماہیت (شکل وصورت) میں ڈھل جاتا ہے اور جذبات و احساسات مظہر بنتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ان الفاظ میں ہے۔

''عالمِ رنگ میں جتنی اشیا پائی جاتی ہیں وہ سب رنگین روشنیوں کا مجموعہ ہے ۔ان ہی رنگوں کے ہجوم سے وہ شے وجود میں آتی ہے جس کو عرفِ عام میں مادہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ سمجھا جاتا ہے یہ مادہ کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے۔ اگر اس کو شکست وریخت کر کے انتہائی قدروں

تک منتشر کر دیا جائے تو محض رنگوں کی جداگانہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔ اگر بہت سے رنگ لے کر پانی میں تحلیل کر دیئے جائیں تو ایک خاکی مرکب بن جائے گا جس کو ہم مٹی کہتے ہیں۔ گھاس ، پودوں اور درختوں کی جڑیں پانی کی مدد سے مٹی کے ذرات کی شکست وریخت کر کے ان ہی رنگوں میں سے اپنی نوع کے رنگ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ تمام رنگ پتی اور پھول میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ تمام مخلوقات اور موجودات کی مظہری زندگی اس ہی کیمیائی عمل پر قائم ہے۔" (لوح قلم)

جس طرح زمین کے اندر نباتات مٹی کی لہروں سے اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہیں، اس طرح زمین کی کشش (گریویٹی) سے جڑے آدمی، مچھلیاں، پرندے اور چوپاؤں کے وجود بھی اس عمل کے مرہون منت ہیں۔ زمین کا چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا اور چیزوں کا اوپر کی طرف اٹھنا کشش اور گریز کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ بیج پودا بنتا ہے تو جڑ زمین میں رہتی ہے لیکن مخالف قوت اسے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بیج میں ایک طرف کشش اور دوسری طرف گریز کی قوت کام کر رہی ہے۔ دیکھا جائے تو جسے ہم گریز کہتے ہیں، وہ بھی کشش ہے۔

زمین سے نکلنے والی ہر شے چاہے وہ کسی بھی رنگ میں ظاہر ہو، اس کا مٹیریل مٹی ہے۔ وہ مٹی سے بنی ہے۔ ظاہر میں درخت ہے لیکن باطن میں مٹی ہے۔ زمین کے اوپر چلنے والے چرند، پرند اور حیوانات کا مٹیریل بھی مٹی ہے کیوں کہ ان کی غذا میں وہ چیزیں شامل ہیں جو مٹی سے نکلی ہیں یعنی مخلوقات کی افزائش جن چیزوں سے ہوتی ہے، سب کی بنیاد مٹی ہے۔

بچہ دودھ پیتا ہے — ماں کی خوراک پھل، سبزیاں اور گوشت ہے۔ پھل اور سبزیاں زمین پر اگتی ہیں اور جانور گھاس چرتے یا چارہ کھاتے ہیں۔ گھاس بھی زمین پر اگتی ہے، اس سے گوشت بنتا ہے۔ اس پوری سائنس کو حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز
مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پرو پرزے تو یہی ذرے ہیں
البتہ صناع ہے اس کا دم ساز

زندگی حرکت کا نام ہے۔ جسم میں حرکت ہو تو ہم اس کو جان دار کہتے ہیں، حرکت منقطع ہو جائے تو جسم بے جان کہلاتا ہے۔ زندگی یا حرکت قوت کے تابع ہے۔ کشش و گریز قوت کی دو طرزیں ہیں۔ ان میں زندگی کا راز ہے۔ کشش و گریز کے قانون کو چلانے والا شعور یا ذات ایک ہے جس کے اندر پوری کائنات کا ریکارڈ ہے۔ قلندر بابا اولیاؒ نے اپنی تعلیمات میں ذاتِ واحد سے روشناسی پر زور دیا ہے۔ چوں کہ ابدالِ حق کا

ذہن کائنات میں متحرک شعور سے ہم آہنگ ہے اس لئے ان کے ذہن سے نکلنے والی ہر بات تخلیقی فارمولوں کا عکس ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

انرجی، توانائی یا قوت تین حالتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ حرارت
۲۔ آواز
۳۔ روشنی

جب ہم سوئی گیس، ماچس کی تیلی یا موم بتی جلاتے ہیں تو رنگ نظر آتے ہیں۔ بجلی کے تار آپس میں ٹکرائیں تو روشنی کا جھماکا ہوتا ہے اور ہمیں رنگ نظر آتے ہیں۔ نیلا، سرخ، نارنجی، پیلا رنگ شعلوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ان رنگوں کو ملانے سے خاکی رنگ بنتا ہے جیسا کہ قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا ہے: تمام رنگ اور مظاہرات مٹی سے نکل رہے ہیں، مٹی کے اندر لہریں کام کررہی ہیں—لہروں کا منبع اللہ تعالیٰ کا نور ہے جو زمین و آسمان پر محیط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کی بنیاد نور ہے—نور ہر شے پر محیط ہے۔ نور، روشنی میں منتقل ہوتا ہے، روشنی کا مظاہرہ رنگوں کی شکل میں ہوتا ہے۔

''اگر دنیا کی تمام موجودات میں ہر چیز کو ایک ذرہ سمجھ کر اس کی ہستی کے اندر اور اس کی ہستی کے باہر ساخت کا جائزہ لیا جائے تو اصل میں ایک نور ملے گا جس کے اندر زندگی کی تمام قدریں ملیں گی۔ تصوف کی اصطلاح میں اس نور کی تحریک کا نام بَداعت ہے۔ بَداعت ایک طرح کے حیاتی دباؤ کا نام ہے جو شعور اول سے شروع ہو کر شعور چہارم تک اثر پذیر ہوتا رہتا ہے۔'' (لوح و قلم)

شعور اول سے مراد کائنات کا آغاز اور شعور چہارم سے مراد کائنات کی تکمیل ہے۔

کالی، بھوری، سرخ رنگ کی مٹی کے بارے میں آپ نے سنا ہے لیکن مٹی سفید رنگ بھی ہے۔ میکسیکو میں ''وائٹ سینڈ نیشنل مونیومنٹ'' ہے جہاں مٹی کا رنگ سفید ہے۔ لوگ دور دراز سے دیکھنے آتے ہیں۔ پورے چاند میں مٹی پر کرنوں کے انعکاس سے منظر اس قدر روشن ہوجاتا ہے کہ بتیاں جلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ قارئین! وہ سفید مٹی دراصل جپسم ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی جپسم فیلڈ ہے۔ 1933ء میں ان ذخیروں کو قومی یادگار کا درجہ دیا گیا۔

حکیم سید طاہر جلیل

ارشادات قلندر بابا اولیاؒ

''علم الاسما محض اشیا کے ناموں کا علم نہیں ہے، محض نام جاننے سے عروج حاصل نہیں ہوتا۔ ہر نوع کو اپنی اپنی ساخت کے مطابق ادراک ہوتا ہے۔ ہر مخلوق اپنی حیثیت میں علم ہے اور خود سے متعلق معاملات کا علم رکھتی ہے۔ کیا بلی کو دودھ اور پانی میں تمیز نہیں ہے—؟ شیر کو گھاس کھلائی جا سکتی ہے—؟ بکری کو گوشت کھلا سکتے ہیں—؟ یا کوا گوشت اور پانی میں تمیز نہیں رکھتا—؟ کیا پرندے دن کے غروب ہونے پر گھونسلوں میں نہیں چلے جاتے—؟ کیا جانوروں کو ممتا کا احساس نہیں ہوتا—؟ کیا ہاتھی، چیتے، پرند، چرند کو آگ کی موجودگی کا علم اس طرح نہیں جیسے آدمی کو ہے—؟''

مغربی ممالک نے بظاہر عقل و دانش کی معراج حاصل کر کے اپنے نزدیک معاشرہ کو مثالی بنایا ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جلدی امراض، کینسر، ایڈز، ڈپریشن، دماغی اور دیگر خطرناک امراض واضح کرتے ہیں کہ معاشرہ کھوکھلا ہے۔

خوش آئند صورت حال مشرق میں بھی نہیں کہ ایک ہی ڈھب پر جیتے، غیر الہامی نظریات اور تاریخی قصوں کو سینے سے لگائے زندگی گزارتے انہیں اپنی حیات سب سے بہتر اور مقدس محسوس ہوتی ہے حالاں کہ باشعور ذہن جانتا ہے کہ اس نظام کا حاصل تن آسانی، خودغرضی، زر پرستی اور بے اعتنائی کے سوا کچھ نہیں۔ جو بیماریاں مغرب کی تصویر کا دوسرا رخ ہیں وہ مشرق میں تصویر کا پہلا رخ بن رہی ہیں اور بن گئی ہیں۔

یہ ہے آج کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معاشروں کی کل کہانی!

ایک طبقہ کے پاس وسائل ہیں، دوسرا طبقہ روایات کے سہارے جی رہا ہے۔ موجودہ تہذیب و تمدن، جمود کے علاوہ کچھ نہیں جب کہ جمود کا دوسرا نام موت ہے۔ زندگی کا اصل ''خلق'' جو حیاتِ مستعار کا جوہر ہے دونوں طبقے اس سے محروم ہیں۔ اخلاقِ حسنہ انبیا کی زندگی کا حاصل ہے۔

رب العالمین اللہ نے آقائے نامدار حضور پاکؐ کے بارے میں فرمایا کہ آپؐ خلقِ عظیم پر فائز ہیں۔

ماہرینِ نفسیات یا دانش ور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ انفرادی زندگی کا جمود فرد کو خودکشی کی طرف مائل کرتا ہے جب کہ قوموں کا اجتماعی جمود عزت، وقار اور خودداری چھین لیتا ہے۔

اس حقیقت کو امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے پچاس سال قبل تحریر کی گئی تصنیف ''لوح وقلم'' میں بیان فرمادیا ہے۔

''موجودہ دور کے مفکر کو چاہیے کہ وہ وحی کی طرز کو سمجھے اور نوعِ انسان کی غلط راہ نمائی سے دست کش ہو جائے۔ظاہر ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف قوموں کے جسمانی وظیفے جداگانہ ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام نوعِ انسانی کا جسمانی وظیفہ ایک ہوسکے۔اب صرف روحانی وظائف باقی رہتے ہیں جن کا مخرج توحید اور صرف توحید ہے۔''

ابدال حق نے اس المیہ کی نشان دہی اس وقت فرمائی جب ترقی کا فسوں دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے بعد بظاہر عروج کی طرف مائل تھا۔

موجود دور کو ذہنی اور مادی ترقی کی معراج سمجھا جاتا ہے لیکن اس ''ترقی'' میں بھوک، پیاس اور نیند کا قحط بڑھ رہا ہے —ہاں! جس چیز کی افزائش تمام معاشروں میں پروان چڑھ رہی ہے وہ مایوسی ہے۔ مایوسی فرد کو خودکشی اور حوادث کی طرف مائل کرتی ہے۔ کوئی خوش نصیب صبر پر قائم رہ جائے تو یہ کیفیت انسان کو نقطۂ توحید کی طرف پلٹ دیتی ہے۔

محققین کا یقین کہ سارے عناصر اور مرکبات کی انتہا نظر نہ آنے اور محسوس نہ ہونے والا نقطہ ایٹم ہے۔

یہ نقطہ دراصل لہر اور ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اجسام (عناصر) کی ترتیب اور کل ماہیت قلبی اسی کی معین مقدار اور حرکات پر ہیں۔ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ کے افکار کی تشریح کرتے ہوئے عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''محققین اس عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب تک کسی چیز کو دیکھا اور محسوس نہ کیا جائے اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے یہ اللہ کی موجودگی کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔محققین اپنے نظریہ کی خود نفی کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ ایسی چیز پر بھرپور یقین رکھتے ہیں جو نظر نہیں آرہی اور نہ ہی اسے آئندہ دیکھا جا سکتا ہے لیکن ایٹم کی تصویریں بنائی جا رہی ہیں اس سے تعمیر و تخریب کے نتائج حاصل کیے جا رہے ہیں —اللہ کی موجودگی کے بارے میں اس جیسا گمان کرتے ہوئے یہ کیوں جھجک جاتے ہیں۔ترقی کے باوجود نوعِ آدم بدستور نقطۂ توحید کی محتاج ہے۔سورج کی روشنی، دھوپ کی تمازت، فصلوں کا پکنا، سمندروں کے مدوجزر، بادلوں کی تخلیق، دل کی

دھڑکن ، امراض سے شفا یابی ، موت کی آمد اور پیدائش کے کرشمے کو توحید کے مظاہرات کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔"

روحانی تعلیمات کی بنیاد یہ ہے کہ انسان روح کے علاوہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بات سادہ ہے اور ادنیٰ ذہن بھی جان سکتا ہے کہ روح ہمارا تعارف ہے۔ روح زندگی اور زندگی کی حرکت ہے۔ یہی آسمانی کتابوں اور قرآن کریم کا فرمان ہے۔

تعلیمات قلندر بابا اولیاءؒ کی بنیاد تفکر ہے۔ جی ہاں وہی تفکر، جس کی دعوت آسمانی کتابیں دیتی ہیں۔ ابدالِ حق کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے اس کی اہمیت کا ادراک ہونا چاہیے۔

یہ اہمیت دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ علم الاسما کی بنا پر ہے جو اصل کا متعارف ہیں۔ اس علم کی بنیاد پر انسان جان لیتا ہے کہ وہ تنہا نہیں — لازوال ہستی ہر لمحہ ساتھ ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر شے اللہ کی صفات کا مجموعہ ہے۔ آدمی جنت کی فضاؤں کو رد کر کے اسفل سافلین میں متمکن ہے — اپنے اندر موجود حقیقت ثابتہ سے بے خبر ہو گیا ہے لیکن اللہ رحم فرمانے والا ہے، نافرمانی کے باوجود زندگی کے وسائل فراہم کرتا ہے۔

انسان کے اندر موجود اس لازوال ہستی کا فیضان ہے کہ اپنا تعارف کرانے کے لیے حضرت ابراہیمؑ کو عاشق بنا کر ذمہ داری دیتی ہے، کبھی حضرت موسیٰؑ کو صاحبِ جلال بنا کر، کبھی حضرت عیسیٰؑ کو رخِ جمال دے کر، سب سے آخر میں رحمتوں کے خزانے لٹانے کے لئے سیدنا حضورؐ کو انسانوں کے درمیان بھیج دیتی ہے۔

نورِ نبوت کی ضوفشانیاں یہیں ختم نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ میری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے نہ تعطل۔ اس ذاتِ برحق کا فیضان ہے کہ خاتم النبیین حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد نورِ نبوتؐ کو عام کرنے کے لیے حضور پاکؐ کے روحانی علوم کے وارث اولیائے کرام کا سلسلہ جاری کیا۔ ان مقدس ہستیوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایثار کر کے نہ صرف اس نور سے خود کو سرتاپا روشن کیا بلکہ ہر فرد کو نور سے متعارف کرانے کی بھرپور کوششیں کیں۔

علم الاسما کے تعارف میں ابدالِ حق نے توحید ذاتی اور صفاتی کا دلیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

"علم الاسما محض اشیا کے ناموں کا علم نہیں ہے، محض نام جاننے سے عروج حاصل نہیں ہوتا۔ ہر نوع کو اپنی اپنی ساخت کے مطابق ادراک ہوتا ہے۔ ہر مخلوق اپنی حیثیت میں علم ہے اور خود سے متعلق معاملات کا علم رکھتی ہے۔ کیا بلی کو دودھ اور پانی میں تمیز نہیں ہے —؟ شیر کو گھاس کھلائی جاسکتی ہے —؟ بکری کو گوشت کھلا سکتے ہیں یا کوا گوشت اور پانی میں تمیز نہیں

رکھتا—؟ کیا پرندے دن کے غروب ہونے پر گھونسلوں میں نہیں چلے جاتے —؟ کیا جانوروں کو ممتا کا احساس نہیں ہوتا—؟ کیا ہاتھی، چیتے، پرند، چرند کو آگ کی موجودگی کا علم اس طرح نہیں جیسے آدمی کو ہے—؟''

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات سے غلط العام عقائد کی نفی ہوتی ہے اور ادراک ہوتا ہے کہ علم الاسما محض لفظ نہیں — حقیقی علم ہے جس سے تخلیق و تعمیر کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ علم الاسما انسان کو خلیفہ فی الارض کے مقام پر فائز ہونے کا شرف عطا کرتا ہے۔

''ہم نے تعلیم کیا آدم کو تمام اسماء کا علم۔''

(البقرۃ: ۳۱)

یہ وہ علم ہے جس سے فرشتے واقف نہیں، جنات بھی مستفیض نہ ہو سکے لیکن انسان کو شرف حاصل ہوا۔ ''لوح و قلم'' میں ابدالِ حق نے تشریح فرمائی ہے کہ لوحِ محفوظ کی اصطلاح میں اسما چیزوں کے عنوان، ان کی خاصیتوں اور ماہیتوں کے بیان کے مرادف ہیں۔

غور کیا جائے تو نام اور خواص سے ہر لمحہ واسطہ پڑتا ہے۔ ابراہیمؑ کہیں تو ذہن میں اس نام کے ہجے یعنی ''ا-ب-ر-ا-ہ-ی-م'' نہیں آتے بلکہ شخصیت کا خاکہ ذہن میں دور کرتا ہے۔ نام کے ساتھ مرد کی صفت، بیٹے کی صفت، باپ کی صفت، شرک سے بغاوت کی صفت، بادشاہ سے ٹکراتے ہوئے جرأت کی صفت، آگ کے گل و گلزار ہونے کی صفت، بتوں کو پاش پاش کرنے کی صفت، اللہ سے ہم کلامی کی صفت، قربانی کی صفت، خانہ کعبہ کی تعمیر وغیرہ ایک پل میں ذہن میں دور کرنے لگتی ہیں۔ محبت اور عقیدت سے ذہن معمور ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف نام فرعون ہے۔ یہ سن کر'' ف-ر-ع-و-ن'' کا مجموعہ نہیں آتا بلکہ مرد، باپ، بیٹا، حاکم، خدائی کا دعویٰ کرنے والا، نافرمان، متکبر جیسی منفی صفات ذہن میں گردش کرتی ہیں — نفرت و کراہت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

مثالوں کو مدنظر رکھ کر اب اسمائے الٰہیہ پر تفکر کیا جائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے کا خالق اللہ ہے۔ شے کی بنیاد نور ہے۔ اشیا کے درمیان جو خلا نظر آتا ہے وہ بھی اللہ کا نور ہے۔ سوچ میں خود غرضی ہو تو نور کو محدود سطح میں دیکھتے ہیں بالکل ایسے جیسے بچہ ہیرے کو محض رنگ دار پتھر سمجھتا ہے۔ غیر جانب دار طرز میں نور کی طرف متوجہ ہوں تو کائنات پر سے حجابات اٹھتے ہیں۔ بندہ دیکھتا ہے کہ میرے اندر خالقِ کائنات کی کون کون سی تجلیات، صفات کی شکل میں کام کر رہی ہیں۔ بندہ ان طرزوں پر غور کرتا ہے تو اسے اللہ کی صفتِ بصیر کا جلوہ نظر آتا ہے۔ آواز سنتے ہوئے

صفتِ سمیع کا جلوہ، محبت اور ممتا کے جذبہ میں اسے اللہ کی صفت رحمٰن ورحیم نظر آتی ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ ہر عمل دراصل اللہ کی کسی نہ کسی صفت سے وابستہ ہے۔ یقین بن جاتا ہے کہ کائنات اللہ کی صفات کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ سوچ اور خلوص کی گہرائیاں بندہ کو اشرفیت کے وصف سے متعارف کراتی ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات اصل سے متعارف کراتی ہیں۔ واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی تعصّبات، حسد، کم ظرفی، غیبت، انتقام اور کبر سے خود کو آزاد کرے۔ انبیا نے اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی ہے۔ صلوٰۃ کا نتیجہ بھی قرآن کے اس فرمان سے وابستہ ہے کہ بے شک صلوٰۃ فواحشات اور منکرات سے دور کرتی ہے۔

ابدالِ حق کی تعلیمات نشان دہی کرتی ہیں کہ نوعِ آدم کی ازلی کم زوری ہے کہ وہ وحی اور الہام کی طرزوں سے صرفِ نظر کرتا ہے، ان سے واقف ہونے کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ اللہ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ شکر کرنے والے قلیل ہیں — ایمان لانے والے قلیل ہیں — غور و فکر والے قلیل ہیں — بے شک انسان خسارہ میں ہے — مگر وہ جو ایمان لائے۔ یعنی صرف وہی لوگ جنہوں نے یقین کیا کہ ہماری ذات اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اللہ کی صفات دور کر رہی ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو اس کی اصل سے آگاہ کیا جائے کہ وہ انفرادی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ کائنات کا ایک جزو ہے اور امرِ ربی کی صورت میں موجود ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات میں کسی لباس کی ساخت، جبہ، دستار، تراش خراش اور وضع قطع کا اصرار نہیں ہے بلکہ فرد کو خود غرضی، خود نمائی، ریاکاری اور دل آزاری سے پاک کر کے روح کی طرف گام زن کرنا ہے — بتانا ہے کہ کوئی بھی عمل چاہے کتنی محنت اور لگن سے کیا جائے، مقصد صرف اپنی ذات کا فائدہ ہے تو ایسا عمل عارضی ہے۔ عمل اس وقت دائمی ہے جب پیشِ نظر مخلوق کی بے لوث خدمت ہو۔ یہی قدریں علم الاسما کے تعارف کا ذریعہ ہیں۔

مراقبہ ایک قلبی عمل ہے جو لفظ رقیب سے ماخوذ ہے۔ رقیب اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے جس کے معنی نگہبان، پاسبان کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے ذہن کی اس طرح نگہبانی کی جائے کہ وہ الٹے سیدھے خیالات، پریشان افکار سے قطعی الگ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ رقیب کے دوسرے معنی منتظر کے بھی ہیں اس معنی میں مراقبہ کی تعریف یہ ہے کہ آدمی ظاہری حواس کو ایک مرکز پر جمع کر کے اپنی روح یا باطن کی طرف متوجہ ہو جائے تاکہ اس کے اوپر روحانی دنیا کے معانی و اسرار روشن ہو جائیں۔

''جولوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے
دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ العنکبوت)

عرس مُبارک حضور قلندر بابا اولیاءؒ ۲۷ جنوری ۲۰۱۷ء

27 جنوری 1979ء قلندر بابا اولیاءؒ کا یوم وصال ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم لدنی کے وارث قلندر بابا اولیاءؒ نے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق روحانی علوم کو ظاہر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عشق میں پروانے اور اولیاء اللہ کی محبت کے دیوانے قلندر بابا اولیاءؒ کے عرس کی تقریب میں دور دراز مقامات سے تشریف لاتے ہیں اور روحانی فیض سے مالا مال ہوتے ہیں اور اپنے اپنے مقامات پر سلسلہ عظیمیہ کے فیض کو عام کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

عرس کی مرکزی تقریبات ـــــ

روحانی ورکشاپ: 26 جنوری 2017ء بروز جمعرات

مزار شریف پر حاضری: 27 جنوری 2017ء بروز جمعۃ المبارک

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا خطاب رات 9:00 بجے

لنگر: بعد نمازِ مغرب
مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

مزار مبارک قلندر بابا اولیاءؒ ۔ بمقام خانقاہ عظیمیہ B-14 شادمان ٹاؤن کراچی

ختم درود شریف: ظہر سے مغرب، تلاوتِ قرآن، فاتحہ

محمد علی ضیا

پانی برف ــــ برف پانی

ایک فقیر نے یہ حال سنا تو وہاں آیا اور کہا، تم سب ناحق جھگڑتے ہو۔ یہاں سے قریب جنگل میں ایک درخت ہے جس کو شجرۃ الحکم کہتے ہیں، اس کے پاس جاؤ اور اپنا اپنا دعویٰ بیان کرو۔ جو مستحق ہوگا اس کو مل جائے گی۔

کائنات کی تخلیق پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کائنات اور افراد کائنات میں مخفی رشتہ ہے ــــ ہم مخفی رشتہ کی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔ جس زاویہ سے تخلیقات پر غور کریں، مخلوقات کے درمیان رشتہ برقرار ہے۔

ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں، ہر انگلی دوسری سے الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ ہاتھوں سے کوئی کام کیا جاتا ہے تو پانچوں انگلیاں ایک یونٹ کے طور پر کام کرتی ہیں۔ یہی صورتِ حال جسم کی ہے۔ تمام جسمانی اعضا الگ الگ ساخت اور خواص کے حامل ہیں۔ مثلاً آنکھ کا کام دیکھنا، کان کا کام سننا، ذہن کا کام سمجھنا ہے لیکن یہ سب ایک جسم کا حصہ ہیں۔ جسم کوئی کام کرتا ہے تو یہ تمام جسمانی حصے اور نظام آپس میں ایک اکائی کی طرح خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

من و عن یہ صورت کائنات اور افرادِ کائنات کی ہے۔ رسول اللہؐ نے یہ قانون اس طرح بیان فرمایا ہے:

''مومنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت و نرمی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کا ایک عضو درد کرتا ہے تو سارا جسم اس کی وجہ سے بیداری اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں، سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں، چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، چرند، پرند، پہاڑ، درخت الغرض تمام مخلوقات سے ہمارا رشتہ قائم ہے۔ اگر کائناتی سسٹم سے کوئی نوع نکل جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ مثلاً درخت، گھاس اور سبزہ کو ختم کر دیا جائے تو سب سے پہلے وہ جانور ختم ہوں گے جن کی غذا سبزہ اور گھاس پھوس ہے۔ اس کے بعد نوعِ آدم کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا کیوں کہ ہم بھی سبزیاں یا

ان جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں جن کی غذا سبزہ ہے جیسے گائے اور بکری وغیرہ۔ مزید غور کیا جائے تو تمام افراد میں جذبات و احساسات مشترک ہیں۔ سونا، جاگنا، بھوک، پیاس، دیکھنا، سننا، پیدائش کا نظام، بچپن، جوانی، بڑھاپا، افزائشِ نسل، صحت بیماری، زندگی، موت ـــ یہ تمام وہ مشترک حواس ہیں جن میں ہم ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔ ایک تصویر کے الگ الگ زاویے یا اجزا ہیں۔

کائنات اور افرادِ کائنات کے درمیان ''خلا'' مشترک سطح ہے۔ تخلیق کی شروعات رحمِ مادر میں ایک خلیہ سے ہوتی ہے۔ یہ خلیہ مائی ٹوسس (Mitosis) کے ذریعے دو خلیات اور می اوسس (Meiosis) کے ذریعے چار خلیات میں تقسیم ہوتا ہے۔ مائی ٹوسس خلیات کی تقسیم کا عام طریقہ ہے جس میں کروموسومز کے دھاگے لمبائی میں دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک جیسے دو خلیے بنا دیتے ہیں۔ ہر خلیہ میں کروموسومز کے 23 جوڑے موجود ہوتے ہیں۔ می اوسس صرف تناسلی خلیات کی تقسیم ہے جس میں ایک خلیہ سے چار خلیے بنتے ہیں جب کہ ہر خلیہ میں کروموسومز کی تعداد آدھی ہوتی ہے۔ یہی ابتدائی خلیہ 37 کھرب خلیات کو جنم دیتا ہے اور تقسیم در تقسیم ہو کر آنکھ، ناک اور دماغ بن جاتا ہے۔

دنیا میں آنے کے بعد بھی خلیوں کی تقسیم کا سلسلہ ختم نہ نہیں ہوتا۔ جسم پر موجود لکیریں ہر لمحہ تبدیل ہوتی ہیں۔ لکیریں خلیات پر مشتمل ہیں۔ لکیروں کا تبدیل ہونا یہ ہے کہ خلیات ہر لمحہ تبدیل ہو رہے ہیں یعنی فنا و بقا کے مرحلہ سے گزر رہے ہیں۔ پرانے خلیات کی جگہ نئے خلیات بنتے ہیں۔ یہ عمل جاری رہتا ہے جب تک جسم دوبارہ مٹی نہ بن جائے۔

چار مسافر سفر کو چلے۔ ایک بڑھئی، ایک درزی، ایک گداگر اور ایک سنار تھا۔ رات ہوئی تو جنگل میں قیام کیا۔ باہم صلاح کی کہ ہر آدمی ایک ایک پہر رات کو پہرا دے تاکہ کوئی صحرائی جانور حملہ نہ کردے۔

پہلا پہرا بڑھئی نے دیا۔ سوچا کہ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کوئی کام کیا جائے۔ اوزار نکال کر درخت کاٹا اور لکڑی سے نہایت نازنین شکل عورت کا مجسمہ تراشا۔ درزی کی باری آئی تو اس نے پہلے دوست کی کارگزاری دیکھ کر اپنا ہنر دکھایا اور عمدہ پوشاک تیار کی۔ درزی نے مقررہ وقت کے بعد سنار کو جگایا اور سونے لیٹ گیا۔ سنار کی نظر مجسمہ پر پڑی تو سوچا کہ مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے۔ سونے چاندی کے تاروں کا خوش نما زیور بنایا اور اس دل پذیر تصویر کو پہنا دیا۔

رات کے آخری پہر گداگر جاگا اور دیکھا کہ حریفوں نے عجب فتنہ برپا کیا ہے، مجھے کوئی ہنر آتا نہیں۔ سوچا کہ کچھ تو کرنا چاہیے۔ وضو کر کے اللہ کے حضور التجا کی کہ الٰہی ان تینوں نے اپنے ہنر کا مظاہرہ کیا۔ مجھ بے ہنر کو رفیقوں کی نظر میں حقیر نہ کر اور اس بے جان جسم میں اپنی

کامل قدرت سے روح پھونک دے۔ دعا قبول ہوئی۔

صبح کو اٹھ کر ساتھیوں نے دیکھا کہ ایک معشوقہ پری جمال آراستہ و پیراستہ بیٹھی ہے۔ عشق کا تیر جگر سے پار ہوا، ہر ایک دعویٰ دار بنا۔ بحث و تکرار ہونے لگی۔ فیصلہ ہوا کہ عدالت چلتے ہیں، قاضی جو فیصلہ کردے اس پر سب راضی ہوں۔ عدالت میں پہنچے اور قصہ بیان کیا۔ ادھر قاضی صاحب اس پری جمال کی صورت دیکھ کر فریفتہ ہوگئے اور کہا، تم چاروں جھوٹ بولتے ہو یہ تو ہماری کنیز تھی جو چندروز سے غائب ہے۔

اب یہ پانچوں مدعی بن کر بادشاہ کے روبرو ہوئے۔ بادشاہ کی نیت حسن و جمال کے پیکر کو دیکھ کر خراب ہوئی۔ کہا، یہ تو ہمارے حرم میں سے ہے، تم پانچوں فریبی ہو۔

ایک فقیر نے یہ حال سنا تو وہاں آیا اور کہا، تم سب ناحق جھگڑتے ہو۔ یہاں سے قریب جنگل میں ایک درخت ہے جس کو شجرۃ الحکم کہتے ہیں، اس کے پاس جاؤ اور اپنا اپنا دعویٰ بیان کرو۔ جو مستحق ہوگا اس کو مل جائے گی۔

ہدایت کے مطابق چاروں مسافر، بادشاہ اور قاضی اس پری وش کے ساتھ شجرۃ الحکم کے پاس پہنچے اور سب نے اپنا دعویٰ بیان کیا۔ یک بیک درخت کھلا اور وہ نازنین اس کے اندر چلی گئی اور درخت بند ہوگیا۔

اس حکایت سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ ہر شے اپنی اصل سے جا ملتی ہے۔

۲۔ لکڑی سے تراشے گئے بت میں توانائی تھی۔ دعا قبول ہونے پر توانائی متحرک ہوئی۔ ورنہ وہ محض لکڑی سے بنی مورتی تھی۔

سوال یہ ہے کہ

۱۔ کیا مٹی اور پانی سے بنا خلیہ زندگی کی اساس ہے؟

۲۔ کیا خلیہ ہی اصل ہے؟

۳۔ کیا خلیہ میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ تقسیم ہوکر منظّم جسم کی تشکیل کرسکے؟

کائنات اور افراد کائنات کی اصل مخفی توانائی یا روشنی ہے۔ مادی جسم اصل نہیں بلکہ اصل توانائی ہے جو منظّم طریقہ سے یہ تبدیلیاں کررہی ہے۔ توانائی نے مادی جسم کو اس طرح اوڑھ رکھا ہے جس طرح ہم لباس پہنتے ہیں۔ جب لباس پرانا ہوجاتا ہے یا پھٹ جاتا ہے تو ہم نیا لباس پہن لیتے ہیں۔ اسی طرح توانائی پرانے خلیات کو ختم کردیتی ہے۔ ان خلیات کی جگہ نئے خلیات لے لیتے ہیں۔

سائنس ڈی این اے کو حیات کی اکائی تسلیم کرتی ہے روحانی سائنس کے مطابق ڈی این اے صرف حیاتی کوڈ ہے—بذات خود حیات نہیں ہے۔ حیات یا روشنی اس ڈی این اے کو چلارہی ہے۔ بالکل اس طرح کہ پہلے خوشی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے پھر چہرہ پر مسکراہٹ آتی ہے۔ پہلے غم کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کے بعد آنسو آتے ہیں۔

طبیعات اس نتیجہ پر پہنچ رہی ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی قوت یا توانائی کا مظاہرہ ہے۔ یہی وہ توانائی ہے جو ہم سب کے درمیان مخفی رشتہ ہے۔ پوری

کائنات میں ایک شعور کارفرما ہے۔ ہم خود کو کائنات کی دوسری مخلوقات سے الگ سمجھتے ہیں مگر ہم سب ایک دوسرے سے تخلیقی نظام کے تحت ہم رشتہ ہیں۔

سنیما میں اسکرین پر پروجیکٹر سے نکلنے والی شعاعوں کو دیکھتے ہیں تو سب لکیریں یکساں نظر آتی ہیں جب کہ ہر لکیر کوئی نہ کوئی عضو یا حرکت ہے۔ قارئین سنیما جا کر لہریں دیکھیں اور ان کو گن کر اسکرین پر نظر ڈالیں۔

یعنی کائنات ایسی بیلٹ پر قائم ہے جہاں سب ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ وہ سطح روشنی یا توانائی ہے۔

برف کے ٹکڑے کو پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے سب نے دیکھا ہے۔ پانی پر برف دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ برف اور پانی دو الگ اشیا ہیں۔ برف پگھل کر پانی بنتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ برف اور پانی کی اصل ایک ہے۔

محققین کائنات کی ابتدا کو بگ بینگ کا مرہون منت قرار دیتے ہیں لیکن بگ بینگ بھی کسی توانائی کے زیر اثر رونما ہوا ہے اور وہ توانائی تمام اشیا میں موجود ہے۔

کوانٹم فزکس کے مطابق ہر شے کی بنیاد الیکٹران ہے۔ الیکٹران سے مراد روشنی ہے۔ دو الیکٹران آپس میں ٹکراتے ہیں تو ان کے درمیان توانائی اور اطلاع کا تبادلہ ہوتا ہے، چاہے وہ دونوں الیکٹران کائنات کے دو کناروں پر ہوں۔ ہم ایک الیکٹران کا تجزیہ کر کے دوسرے الیکٹران کے مقام اور رفتار کا تعین کرتے ہیں۔ کسی الیکٹران میں تغیر ہوتا ہے تو دوسرے الیکٹران میں تغیر لازمی ہے۔ یعنی ہم ایک الیکٹران کی حالت دیکھ کر دوسرے الیکٹران میں ہونے والی تبدیلیوں کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسی طرح کائنات کی دیگر مخلوقات سے ہمہ وقت توانائی اور اطلاع کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہر وقت ایک دوسرے سے ربط میں ہیں۔ یعنی کائنات روشنیوں کا سمندر ہے اور ہم لہریں ہیں۔ کیا سمندر اور لہر کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے ــــ؟

عظیم روحانی سائنس دان قلندر بابا اولیاؒ "لوح و قلم" میں مخفی رشتہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"انا یا ذات انسانی یا نفس جس کو روح بھی کہتے ہیں، روشنی کا ایسا ہیولیٰ ہے جو ایک طرف اپنی اصل کے ساتھ اور دوسری طرف اپنی نوع کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کی اصل صفات الٰہیہ کا وہ مجموعہ ہے جس کے ذریعے تمام کائنات کے حواس ایک رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں، گویا لطیف روشنی کا ایک سمندر ہے جس کی سطح پر کائنات کی تمام شکلیں اور صورتیں ابھرتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک شکل و صورت اپنی نوع کے اعمال و اشغال انجام دے کر سمندر کے اندر ڈوب جاتی ہے۔"

خلا کیا ہے ـــ؟

''اور جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔'' (یٰسٓ: ۸۲)

قارئین! کائنات خلا ہے اور ''کن فیکون'' کائنات کی تخلیق کا فارمولا ہے۔ یہ اور اس جیسی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے 1400 سال قبل قرآن کریم میں خلا کا قانون بیان فرما دیا ہے۔

مینلو پارک، کیلی فورنیا کی ''سلیک (Slac) نیشنل ایکسیلریٹر لیبارٹری'' میں دنیا کی سب سے طاقت ور ایکسرے لیزر نصب ہے۔ محققین نے 2009ء میں یہاں ایٹم کو ''خالی'' کرنے کے کچھ دل چسپ تجربات کیے۔

نیون (Neon) کے ایٹموں پر ایکسرے لیزر کی بارش کی۔ لیزر کی شدید توانائی نے سیکنڈ کے کھربویں حصہ یا اس سے کم عرصہ کے لئے نیون کے دس اندرونی الیکٹرانوں کو باہر نکال دیا یعنی عارضی طور پر ''کھوکھلا'' کر دیا۔ قارئین! بیرونی الیکٹرانوں کے مقابلہ میں اندرونی الیکٹرانوں پر مرکزہ کی کشش زیادہ ہوتی ہے۔ بیرونی مدار میں الیکٹرانوں نے تیزی سے توانائی خارج کی اور نچلے مدار پھر سے بھر دیے۔

لیکن ماہرین کے لئے سیکنڈ کے کھربویں حصہ میں ہی سہی، ایٹم کا ''خالی پن'' اہم ہے۔

2012ء میں جرمنی کے محققین نے اس سے بہتر کام یابی حاصل کی اور زینون (Xenon) کے چوّن (54) میں سے چھتیس (36) اندرونی الیکٹرانوں سے ایٹم کو ''خالی'' کیا۔ ایٹموں کو ''خالی'' کرنے میں محققین کو کیا دل چسپی ہے ـــ؟ عارضی کھوکھلے ایٹموں سے ہمیں کیا حاصل ہوگا ـــ؟

سائنس مادہ کی عدم موجودگی کو ''خلا'' کہتی ہے۔ کسی کنٹینر سے ہوا نکال کر ویکیوم بنانا بھی خلا تخلیق کرنا کہلاتا ہے۔ تفکر طلب ہے کہ اگر ویکیوم کا مطلب ''کچھ نہ ہونا'' ہے تو پھر ویکیوم کا ذکر کس طرح ہو سکتا ہے ـــ؟ دراصل محدود نگاہ کی وجہ سے ویکیوم میں کچھ نظر نہیں آتا ورنہ اس میں توانائی کی غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) لہریں موجود ہوتی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ ایٹم ایسی مادی اکائی ہے جو بذاتِ خود خلا پر مشتمل ہے۔ ہائیڈروجن ایٹم میں ننانوے (99) فی صد خلا ہے۔ محققین کے مطابق مکمل ویکیوم

خلا حد بندی ہے۔ پانی کا مظاہرہ گلاس کی حدود کی وجہ سے نظر آتا ہے۔ دریا اور سمندر جیسی بڑی اسپیس میں پانی کا مظاہرہ حدود کا تعین ہے۔

مخلوق اور ان کے نقوش کی معین مقداریں خلا کی وجہ سے الگ الگ نظر آتی ہیں۔ خلا کی بدولت ہم اپنی اور دیگر نوعوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔

خلا میں حرکت (ارتعاش) ہے۔ حرکت، لائف اسٹریم ہے۔ لائف اسٹریم محوری گردش سے حاصل ہوتی ہے۔ محوری گردش دائرہ میں حرکت ہے۔ دائرہ کا آگے بڑھنا طولانی گردش ہے۔ محوری گردش، طولانی گردش پر محیط ہے۔

زمین محوری گردش کے ساتھ طولانی گردش میں سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ تیئیس ڈگری پر ترچھا پن دائرہ کی حرکت میں مددگار ہے۔ اگر زمین کا ترچھا پن ختم ہو جائے تو طولانی حرکت رک جائے گی اور زمین کسی اور زون میں منتقل ہو جائے گی۔

زون تین ہیں:

۱۔ نور

۲۔ روشنی

۳۔ مادہ

قرآن کریم میں جہاں زمین کا تذکرہ ہے، زندگی اور وسائل کا ذکر بھی ہے۔ خلاصہ پیش خدمت ہے۔

زمین خلا میں تیزی کے ساتھ جھولے کی طرح متحرک ہے۔ زمین فرش یا بچھونے کی طرح ہے یعنی پھیلی ہوئی ہے تاکہ اس پر جاندار زندگی گزار سکیں۔

زمین جائے قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں نہروں اور دریاؤں کو جاری کیا ہے۔ زمین نرم اور فرماں بردار ہے۔ اس میں طرح طرح کے راستے ہیں تاکہ آدمی منزلِ مقصود تک پہنچے۔

کائناتی پروجیکٹر سے لامحدود لہریں آرہی ہیں۔ زمین ایسی اسکرین ہے جو لوحِ محفوظ کے نقوش کو محدود دکھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا،

زندہ اور مردہ کو۔'' (المرسلٰت: ۲۵-۲۶)

زمین (خلا) میں جذب کرنے اور خارج کرنے کی صلاحیت ہے۔ سورس (فلم کے فیتہ) سے نقوش لہروں کی صورت میں آتے ہیں اور مظاہرہ کر کے پلٹ جاتے ہیں۔ اسکرین پر تصویروں کا متحرک ہونا زندگی اور تصویروں کا غائب ہو جانا موت ہے۔ زندگی اور موت کا ردوبدل بیک وقت ہو رہا ہے۔

مثال: دیوار میں سردی اور گرمی کی لہریں جذب اور خارج ہوتی ہیں۔ دیوار ''اینٹوں'' پر مشتمل ہے۔ ایٹم میں توانائی جذب اور خارج ہوتی ہے۔

''اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی

اور نکال باہر کرے گی جو کچھ اس کے اندر

ہے اور بالکل خالی ہوجائے گی۔''

(الانشقاق:۳-۴)

''اورنکال باہر کرے گی زمین اپنے

سارے بوجھ۔'' (الزلزال:۲)

کائناتی اسکرین پر مسلسل جذب اور خارج ہونے کا عمل جاری ہے۔ نقوش غیب سے ظاہر اور ظاہر سے غیب میں تبدیل ہوتے ہیں تو اسکرین پر انعکاس (Reflection) عمل میں آتا ہے۔ انعکاس کسی شے کو دیکھنے کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً آئینہ ایسا شیشہ ہے جس میں روشنی کو جذب کرنے اور منعکس کرنے کا انتظام ہے تاکہ اس میں اپنا عکس دیکھیں۔ آئینہ کی اصل ''خالی پن'' ہے۔ یعنی آئینہ محض اسکرین ہے۔

مضمون کی ابتدا میں سوال کیا گیا تھا کہ ایٹموں کو کھوکھلا کرنے کا مقصد کیا ہے؟

امکان ہے کہ سائنس دان اس تحقیق کے ذریعے بایو مالیکیولز مثلاً پروٹین اور DNA وغیرہ کے بارے میں زیادہ بہتر طور پر واقف ہوسکیں گے۔ ایسی کاربن جھلیاں تیار کی جاسکتی ہیں جن میں نہ صرف نینو میٹر پیمانہ کے مسام ہوں بلکہ ان مساموں کی جسامت کو آئینز پر چارج کی شدت میں کمی بیشی کرکے کنٹرول بھی کیا جاسکتا ہے۔ نینو جھلیوں کی مدد سے DNA کی سلسلہ بندی بہتر بنائی جاسکتی ہے کیوں کہ کسی چھلنی سے

زمین محوری گردش کے ساتھ طولانی گردش میں سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ تیئیس ڈگری پر ترچھا پن دائرہ کی حرکت میں مددگار ہے۔ اگر زمین کا ترچھا پن ختم ہوجائے تو طولانی حرکت رک جائے گی اور زمین کسی اور زون میں منتقل ہوجائے گی۔

ایک وقت میں مخصوص جسامت والے ڈی این اے کے ٹکڑے گزر سکیں گے۔

اس تحقیق کے ضمن میں اہم نکتہ یہ ہے کہ ایٹم کی لطافت (باریکی) میں نینو لیول پر اضافہ ہوگا۔ الیکٹران ثقل کا پوئنٹ ہے۔ الیکٹران نکالنے سے ثقل میں کمی واقع ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ مادی میڈیم کو لطیف بنانے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے—؟

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''زمین اپنے رب کے نور سے جگ مگا

اٹھے گی۔'' (الزمر:۶۹)

کائناتی اسکرین ہر مخلوق کے باطن میں موجود ہے۔ تفکر کا عمل درجہ بدرجہ لطافت کی طرف سفر ہے۔ اعلیٰ سطح پر ذہن، نور کے حواس سے اسکرین کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ادنیٰ لیول پر خلا دکھائی دیتا ہے۔ رب سے دوری درحقیقت شعور کا خلا ہے، ثقل میں اضافہ ہے۔ اسکرین خالی ہونے کا مفہوم صعودی حرکت ہے۔ صعودی حرکت رب سے قربت ہے—رب سے قربت نور کی نگاہ عطا کرتی ہے۔

ہر مخلوق ''پانی'' کو پانی دیکھتی ہے

انسان میں جو نظر پانی کو پانی دیکھتی ہے وہ نظر ہر شے کے اندر پانی کو پانی دیکھتی ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انسان نے پانی کو پانی دیکھا ہو اور شیر نے پانی کو دودھ دیکھا ہو۔ نظر کا کردار کائنات کے ہر ذرہ اور نقطہ میں ایک ہے۔ جس طرح ہم لوہے کو سخت محسوس کرتے ہیں اسی طرح چیونٹی بھی لوہے کو سخت محسوس کرتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ لوہا جس نگاہ سے انسان کو دیکھتا ہے اس ہی نگاہ سے چیونٹی کو دیکھتا ہے۔ کائنات میں پھیلے ہوئے تمام مناظر اس ہی قانون کے پابند ہیں۔ جب آدمی چاند کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو چاند کو اسی شکل وصورت میں دیکھتا ہے جس شکل وصورت میں چکور دیکھتا ہے۔ جب درخت کی جڑیں پانی حاصل کرتی ہیں تو پانی سمجھ کر حاصل کرتی ہیں بالکل اس ہی طرح جس طرح ایک جانور پانی کو پانی سمجھتا ہے۔ ایک سانپ بھی دودھ کو دودھ سمجھ کر پیتا ہے اور ایک بکری بھی دودھ سمجھ کر پیتی ہے۔

نتیجہ: ہم ان تمام مثالوں سے ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تمام کائنات کے ہر ذرہ میں ایک نظر کام کر رہی ہے۔ اس نظر کے کردار میں کہیں اختلاف نہیں۔ وہ ہر ذرہ میں غیر متغیر ہے۔ اس کا ایک معین اور مخصوص کردار ہے۔ نظر کے کردار میں ابتدائے آفرینش سے کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ نظر مکانیت اور زمانیت دونوں کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس کی روش میں نہ تو وقت کے تغیر سے کوئی تغیر ہوتا ہے اور نہ وقت کی تبدیلی سے کوئی تبدیلی۔ یہ نظر ازل سے ابد تک کسی لمحہ یا کسی ذرہ کی گہرائی میں ایک ہی صفت رکھتی ہے۔ یہی نظر وہ مقام ہے جس کو شعور کا مرکزی نقطہ یا کائنات کی حقیقت کہہ سکتے ہیں۔ (لوح وقلم)

اظہر حسین

بیداری اور نیند ـــــ؟

ہم صرف ان چیزوں کو یاد رکھتے ہیں جن چیزوں کی طرف ہماری توجہ رہتی ہے۔ اسی طرح عالمِ خواب میں بھی جو چیزیں ہماری توجہ کا مرکز بنتی ہیں وہ چیزیں ہمارے حافظہ میں محفوظ رہتی ہیں باقی محو ہو جاتی ہیں۔ جو باتیں محو ہو گئیں ان کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں، کچھ دیکھا نہیں تھا جب کہ نیند کا ایسا کوئی وقفہ نہیں جب ہم دیکھ نہ رہے ہوں۔ البتہ جو یاد رہا ہم اسے خواب کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے خواب لکھ کر بھیجا۔ ''میں آپ کے قدموں میں بیٹھا رو رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ حضور میری اماں کہاں گئیں؟ میری اماں مجھے دلا دو۔''

حاملِ علمِ لدنی بابا صاحبؒ نے تعبیر میں فرمایا:

''اطلاع کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ میری صورت ہے۔ دوسرا حصہ تمہاری اپنی صورت ہے۔ تیسرا حصہ اماں ہیں جو موجود نہیں ہیں۔ اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے یہاں سے کہ تم ایک جگہ ہو۔ اس جگہ تمہاری حیثیت ایک ایسے سوال کی ہے جو بہت سے سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کا نام ہے اماں۔ یعنی زندگی کے بہت سے راستے جس نقطہ سے شروع ہوتے ہیں اور انسان یہ طے نہیں کر سکتا کہ مجھے کن راستوں پر سفر کرنا ہے۔ قدرتاً ماں کی پوزیشن یہی ہے کہ وہ زندگی کو ایک ایسے نقطہ پر لا کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ راستے لاشمار ہیں۔ انسان کے سامنے یہ مرحلہ ہے کہ وہ جس راستہ پر سفر شروع کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ راستہ غلط ثابت ہو جائے اور اسے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے۔ یہاں وہ اپنی روح سے راہ نمائی چاہتا ہے لیکن روح کو کسی روپ میں مشکّل دیکھتا ہے کیوں کہ اسے ہر شے کو مشہود بنا کر دیکھنے کی عادت ہے۔ جن دنوں میں تم نے یہ خواب دیکھا ہے، ان دنوں میں ایسے خیالات کا زیادہ زور اور دباؤ رہا ہے۔ مذکورہ بالا خواب 19 جون کا ہے۔ ذہن پر یہ کیفیت ہفتوں پہلے سے مسلط تھی۔ اس کا جواب روح 7 جون کو خواب میں دے چکی ہے۔ جو خواب تم نے 7 جون کو دیکھا ہے اس میں مذکورہ سوالات کا پورا جواب موجود ہے۔ یعنی مستقبل میں اللہ کی طرف سے معاونت کا بندوبست ہوگا۔ غیب سے ایسا پروگرام بن جائے گا

جو آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کا ضامن ہے۔ ہر چیز بروقت ہوتی جائے گی۔ واضح طور پر اس خواب میں سب چیزیں موجود ہیں۔"

اس تعبیر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذکورہ خواب میں مستقبل کا پورا پلان موجود ہے۔

دن کے حواس میں زندگی کے تجربات کی روشنی میں سمجھا یہ جاتا ہے کہ بیداری کی زندگی حقیقی ہے۔ خواب کی زندگی ٹکڑوں میں یاد آتی ہے اس لئے اخذ کیا جاتا ہے کہ خواب کی زندگی کا حقیقت سے تعلق نہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کی روشنی میں بیداری کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ دن کے حواس کا بڑا حصہ غفلت میں گزرتا ہے۔ مسافر سے پوچھا جائے کہ راستہ میں کیا دیکھا تو وہ چند باتیں بتاتا ہے اور زیادہ تر مناظر کے بارے میں کہتا ہے کہ میں نے دھیان نہیں دیا۔ گھر سے اسکول یا آفس جاتے ہوئے راستہ میں کتنے درخت، بجلی کے کھمبے، برابر سے گزرنے والی دوسری گاڑیاں نظر آئیں، مسافر نہیں بتا سکتا۔ حالاں کہ اس نے ان سب چیزوں کو دیکھا ہے لیکن بے دھیانی سے یاد کے خانے دھندلے ہو گئے۔

شام میں دن کی مصروفیت پوچھی جائے تو اکثر باتیں یاد نہیں رہتیں لیکن یہ احساس ہوتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے اور ہم وقت کے ساتھ ساتھ موجود ہیں۔

دوسری طرف خواب میں بھی زندگی تسلسل کے ساتھ گزرتی ہے۔ اگر کوئی خواب میں خود کو خانہ کعبہ میں دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ وہ طواف کرتا ہے اور باقی تمام ارکان پورے کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ بندہ بیداری میں خانہ کعبہ جانے کے لئے پہلے پیسوں کا انتظام کرتا ہے، ویزا لیتا ہے، ٹکٹ خریدتا ہے۔ انتظامات مکمل ہونے کے بعد وہ ہوائی جہاز میں بیٹھا اور چند گھنٹوں میں سرزمینِ حجاز میں داخل ہوا۔ وہاں قیام کیا۔ مقدس مقامات کی زیارت کی، حج یا عمرہ کے ارکان پورے کیے، روضۂ اطہرؐ پر حاضری دی۔ اس کے بعد واپسی میں بھی وقت لگتا ہے۔

بندہ لاہور میں سو رہا ہے، خواب میں خانہ کعبہ پہنچا — کسی نے پیر ہلایا اور اسی لمحہ وہ لاہور واپس پہنچ گیا۔ نیند سے جاگتا ہے تو خواب کے تاثرات تمام جزئیات کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ یہ سب کیسے ہوا —؟ خواب کی حقیقت پر غور کرنے کے بجائے نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خواب حقیقت نہیں۔

خواب حقیقت ہے یا نہیں، اس پر بات کرنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کیا ہے اور آدمی کون ہے —؟

جسے ہم آدمی کہتے ہیں، دیگر مخلوقات کی طرح وہ کھاتا، پیتا، چلتا، پھرتا، دوڑتا، ہنستا، روتا اور باتیں کرتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اعضا سلامت

ہوتے ہیں لیکن بندہ کھاتا پیتا نہیں، ہنستا بولتا نہیں، پیر ہیں مگر چلتا نہیں، لوگ اس کو نام سے پکارنے کے بجائے ''ڈیڈ باڈی'' کہتے ہیں۔ جسم موجود ہے، کان، آنکھیں، ناک، منہ، ہاتھ پیر سب ہیں پھر فرد حرکت کیوں نہیں کر رہا؟

فرد کی مثال روبوٹ کی ہے جو بیٹری سے چلتا ہے۔ جب تک روبوٹ کے لئے بجلی کی ترسیل جاری رہتی ہے وہ چلتا ہے۔ توانائی کی ترسیل منقطع ہونے سے روبوٹ جامد ہو جاتا ہے۔

آدمی کی مثال بھی یہی ہے۔ توانائی موجود ہے تو اسے زندہ کہتے ہیں۔ توانائی منقطع ہو جائے تو مردہ کہلاتا ہے۔ مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک جسم اور دوسری توانائی جو روح ہے۔

جسم روح کے تابع ہے اور اس وقت تک حرکت کرتا ہے جب تک روح جسم میں ہے۔ روح خود کو جسم سے الگ کر لے تو جسم کی حیثیت ہڈی گوشت ہے جو شکست و ریخت کے مراحل سے گزر کر معین وقت کے بعد غائب ہو جاتا ہے اور مٹی کا جسم مٹی میں مل جاتا ہے۔

محققین کا کہنا ہے کہ توانائی میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ توانائی ختم ہوتی ہے۔ اسی طرح جس توانائی نے جسم کو سنبھالا ہوا ہے وہ بھی ختم نہیں ہوتی، موجود رہتی ہے۔ لیکن جسم تحلیل ہو جاتا ہے۔ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روح اور جسم الگ الگ ایجنسیاں ہیں۔ جسم روح کے تابع ہے۔

اس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ ہم سوتے ہیں، سونا کیوں ضروری ہے—؟ نینداور بیداری کی دنیا میں کیا فرق ہے—؟ مثالوں سے واضح کیا جا چکا ہے کہ نیند میں بندہ دن کے حواس سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تقاضوں میں فرق نہیں ہے مگر تقاضے جس دورانیہ میں پورے کیے جاتے ہیں وہ دورانیہ تبدیل ہو جاتا ہے۔

جنت کی مثال سامنے ہے کہ بابا آدمؑ جب جنت میں عیش و آرام کی زندگی گزار رہے تھے تو ہر قسم کی نعمتوں میں کھانے پینے کے ساتھ وسائل پر ان کا تصرف تھا۔ وسائل میں ٹائم اور اسپیس بھی شامل ہیں۔ جنت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ گھومنے پھرنے کے لئے گاڑی یا جہاز کی محتاجی نہیں تھی بلکہ کسی جگہ پہنچنے کے لیے صرف ارادہ کافی تھا۔ عیش و آرام کی زندگی اس وقت پابندی میں تبدیل ہوئی جب نافرمانی کا ارتکاب ہوا۔

ٹائم کی گرفت سے حرکت کی رفتار میں کمی آ گئی اور کسی جگہ جانے کے لیے بابا آدمؑ قدم بہ قدم چلنے کے پابند ہو گئے۔ جو شے پہلے ارادہ کے ساتھ آموجود ہوتی تھی، بڑے بڑے وقفوں میں تقسیم ہو گئی۔ جنت میں آم کہتے تھے اور آم حاضر ہو جاتا تھا۔ زمین پر صورتِ حال مختلف ہے۔

عالم دنیا میں درخت کو بیج سے پھل لانے کی عمر پانچ سالوں میں تقسیم ہو گئی۔ جنت میں تکلیف کا احساس

نہیں تھا اور نہ ہے۔ الغرض خالقِ کائنات کی ہدایت پر عمل نہ ہونے سے جنت کے فوائد سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ مہربان ہیں۔ انہوں نے واپسی کے راستے کھلے رکھے ہیں۔ جو شخص فرماں بردار ذہن اختیار کر لے گا وہ اپنے ازلی مقام جنت میں لوٹ جائے گا۔

اگر ذہن میں جنت کی زندگی کا ریکارڈ نہ ہوتا تو دوبارہ جنت میں جانا ناممکن تھا۔ واپسی کے لئے ریکارڈ کا ہونا ضروری ہے اور ریکارڈ نام ہے تکرار کا!

یہی وجہ ہے کہ آدم کو جنت کی زندگی کی یاددہانی کے لیے نیند رکھی گئی۔ سوتے وقت آدمی ٹائم ، اسپیس، پابندی، وسائل کی جکڑبندیوں سے آزاد ہو کر جنت کے شعور میں زندگی گزارتا ہے۔

اللہ نے انسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ غیب سے آگاہی حاصل کر سکے اس لئے انسان کے اندر ایسے حواس کی موجودگی ضروری ہے جن سے وہ غیب سے متعارف ہو جائے۔ خواب میں کام کرنے والے حواس دراصل وہ صلاحیت ہے جو نوع انسان کو غیب سے نہ صرف قریب کرتی ہے بلکہ غیب کے اندر داخل کر دیتی ہے۔

ہمیں جتنا خواب یاد رہتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے صرف اتنا دیکھا۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ مادی آنکھ بند ہوتی ہے لیکن روح دیکھتی ہے۔ روح ہر وقت دیکھتی ہے۔

خواب اور بیداری کے موازنہ کے حوالہ سے ارشاد ہے — خواب اور بیداری کے اعمال و واقعات یکساں ہیں۔ دونوں میں قدریں مشترک ہیں۔ جس طرح عالم بیداری میں ہم جن چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ یاد نہیں رہتیں۔ ہم صرف ان چیزوں کو یاد رکھتے ہیں جن چیزوں کی طرف ہماری توجہ رہتی ہے۔

اسی طرح عالم خواب میں بھی جو توجہ کا مرکز بنتی ہیں وہ چیزیں ہمارے حافظہ میں محفوظ رہتی ہیں باقی محو ہو جاتی ہیں۔ جو باتیں محو ہوگئیں ان کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں، کچھ دیکھا نہیں تھا جب کہ نیند کا ایسا کوئی وقفہ نہیں جب ہم دیکھ نہ رہے ہوں۔ البتہ جو یاد رہتا ہے ہم اسے خواب کہتے ہیں۔

بعض خوابوں میں لوگ اپنے آپ کو ایسے کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جو دن کے مشاغل سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ایسے خوابوں سے کچھ لوگوں کو یہ ابہام پیدا ہوا کہ خواب میں صرف دن کے اعمال و افعال کو ذہن دہراتا ہے۔

مزید تحقیق کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ ان لوگوں کی توجہ ان معاملات میں زیادہ ہے جو خواب میں نظر آتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ایسے خواب بھی نظر آتے ہیں جن میں مستقبل سے متعلق کوئی اشارہ ہوتا ہے اور کچھ عرصہ بعد وہ واقعہ پیش آجاتا ہے جو خواب میں دیکھا تھا۔ یہاں کچھ محققین یہ کہتے ہوئے رکتے ہیں کہ خواب کی اہمیت ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے خواب کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے تفصیلی مضمون رقم فرمایا ہے جس میں بتایا ہے کہ زندگی اطلاعات ہیں لیکن یہ اطلاعات اتنی زیادہ تعداد میں موصول ہوتی ہیں کہ شعور ان کو یاد نہیں رکھ سکتا اس لئے وہ لاشعور میں ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

جب روح کسی بات کو یاد دلانا چاہتی ہے یا کسی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے تو لاشعور کے ریکارڈ میں موجود اطلاعات کو شعور کے پردہ پر دکھا دیتی ہے جسے ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں۔

خواب کے ضمن میں یاد رکھنا ضروری ہے کہ لاشعوری حواس کی رفتار شعور سے ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہے۔ اس لئے صرف وہ شخص خواب میں دیکھی ہوئی چیز کی حقیقت بیان کر سکتا ہے جو خواب کے حواس سے واقف ہے۔ خواب علم نبوت کا چھیالیسواں باب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواب کی تعبیر کتابوں سے معلوم نہیں ہو سکتی نہ یہ اکتسابی علم ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ خواب کی تعبیر کیوں معلوم کریں؟ تو جواب ملتا ہے کہ خواب کا مطلب ہے، روح نے ہمیں کسی طرف متوجہ کیا ہے، کچھ بتانے کی کوشش کی یا کچھ سمجھایا ہے اور خواب کی تعبیر یقیناً ہماری زندگی میں بہتری کا اشارہ ہے جسے اہمیت دینا یا نہ دینا اپنی صوابدید پر منحصر ہے۔

انسانی ذہن کی ایک سطح وہ ہے جو فرد کی ذہنی حرکت کو کائناتی حرکت سے ملاتی ہے۔ ذہن کی دونوں سطحیں دو قسم کے حواس کی تخلیق کرتی ہیں۔ مثبت حواس ایک معنی میں حواس کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم بیداری کی حالت میں واقع ہوتی ہے۔ چناں چہ ہماری جسمانی فعلیت میں یہی تقسیم کام کرتی ہے۔ ایک ہی وقت میں آنکھ کسی ایک شے کو دیکھتی ہے اور کان کسی آواز کو سنتے ہیں۔ ہاتھ کسی تیسری شے کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں اور پیر کسی چوتھی چیز کی پیمائش کرتے ہیں۔ زبان کسی پانچویں چیز کے ذائقہ میں اور ناک کسی چھٹی چیز کے سونگھنے میں مشغول ہوتی ہے اور دماغ میں ان چیزوں سے الگ کتنی ہی اور چیزوں کے خیالات آرہے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس منفی حواس میں جو تحریکات ہوتی ہیں ان کا تعلق انسان کے ارادہ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً خواب میں باوجود اس کے کہ مذکورہ بالا تمام حواس کام کرتے ہیں، اعضائے جسمانی ساکت رہتے ہیں۔ اعضائے جسمانی کے سکوت سے اس حقیقت کا سراغ مل جاتا ہے کہ حواس کا اجتماع ایک ہی نقطۂ ذہنی میں ہے۔ خواب کی حالت میں اس نقطہ کے اندر جو حرکت واقع ہوتی ہے، وہی حرکت بیداری میں جسمانی اعضا کے اندر تقسیم ہو جاتی ہے۔

(تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل ومشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین ودنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

بتیس ہزار + دس لاکھ

مشاہدہ ہے کہ شہر میں ایسے پڑھے لکھے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو جہاں کھاتے ہیں، کوڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ چلتی گاڑیوں سے ریپرز یا کین پھینکے جاتے ہیں اور پیچھے بیٹھے ہوئے ان کے بچے غیر ارادی طور پر یہ عادت نقل کرتے ہیں۔

"جھیل لولوسر" گہری ہے۔ جہاں گہرائی زیادہ ہے وہاں پانی کا رنگ ہلکا سبز اور لہروں میں ٹھہراؤ ہے۔ کنکر پھینکا تو پرسکوت لہروں میں ارتعاش ہوا، دائرے بنے اور غائب ہوگئے۔ گہرے پانی میں جو شے داخل ہو، پانی خاموشی سے اندر چھپا لیتا ہے۔ فراخ دل، گہرے اور بڑے لوگ بھی صاف شفاف پانی کی طرح ہوتے ہیں۔ ساری بات ظرف کی ہے۔

جھیل کنارے بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ میری دیکھا دیکھی کزنز بھی مراقبہ کے لئے قطار میں بیٹھ گئے اور جھیل کی ٹھنڈک اور سکوت رگوں میں اتر گیا۔

راستہ میں جلکھڈ کا علاقہ آتا ہے یہاں پیالہ جھیل ہے۔ گاڑی ایک طرف روکی۔ ہمیں اونچائی سے جھیل دکھائی گئی تاکہ جھیل کی پیالہ نما شکل واضح ہو۔ نام گولائی کی وجہ سے پیالہ ہے۔ پانی کا رنگ خاکی تھا۔ پوچھا— پانی گدلا کیوں ہے؟ ڈرائیور نے بتایا کہ جھیل کا اصل رنگ ہلکا سبز ہے۔ برف پگھلتی ہے تو اپنے ساتھ پہاڑوں سے مٹی بھی لے کر آتی ہے۔ مٹی کے ملنے کی وجہ سے فی الوقت رنگ خاکی ہوگیا ہے۔ ورنہ دوسرے موسموں میں اس کا رنگ ہلکا سبز ہو کر بہت خوب صورت ہو جاتا ہے۔

جلکھڈ کی ساحلی پٹی پر اترے۔ موسم خوش گوار، ٹھنڈی ہوا اور ساحل پر لوگوں کا رش تھا۔ گرم گرم بھٹے کھائے اور بیٹھنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں لوگ کم تھے۔

یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ جن جگہوں پر کھانے پینے کی چیزیں دستیاب تھیں وہاں لوگوں نے چیزیں کھا کر پھینکی ہوئی تھیں۔ اس وقت موجود افراد میں بظاہر سب پڑھے لکھے لگ رہے تھے۔

ایک تو لوگوں کی غیر ذمہ داری اور اوپر سے انتظامیہ کی غفلت کہ کوڑے دان شاذ ہی نظر آئے۔ لیکن اگر کوڑے دان نہ ہوں تو کیا یہ مطلب ہے کہ جگہ جگہ گندگی پھیلائی جائے، جو شے جہاں کھائیں وہاں پھینک

دیں—؟ جن ڈبوں میں کھانا لے کر آتے ہیں ، سارے راستہ انہیں اٹھائے رکھتے ہیں، استعمال کرنے کے بعدرہ جانے والی چیزیں واپس ان ڈبوں میں ڈالی جاسکتی ہیں تاکہ جیسے ہی کوڑے دان نظر آئے ، وہاں کوڑاڈال دیا جائے۔

ہمارا ایک غلط قدم ماحول میں تعفن کا سبب بنتا ہے اور ہر شے متاثر ہوتی ہے۔ پہلے ذہن متاثر ہوتا ہے—وہ ذہن جس نے کوڑا اپھینکا ہے!

مشاہدہ ہے کہ شہر میں ایسے پڑھے لکھے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو جہاں کھاتے ہیں، کوڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ چلتی گاڑیوں سے ریپرز یا کین پھینکے جاتے ہیں اور پیچھے بیٹھے ہوئے ان کے بچے غیر ارادی طور پر یہ عادت نقل کرتے ہیں۔

میں تصاویر کھینچنے میں مصروف تھی ۔ ادھر سے کوئی آواز لگاتا ، میری تصویر کھینچو، کوئی پتھر پر کھڑا پہاڑوں کی جانب دیکھتا اور تصویر کے لئے پوز بناتا ، کوئی پانی میں ہاتھ ڈالتا اور کیمرے کو دیکھتا ۔ غرض جس کو جو نظارہ اچھا لگا اس نے چاہا کہ اس کا عکس مناظر کے ساتھ محفوظ ہوجائے۔

اچانک بہت تیز ہوا چلی—اتنی تیز کہ لوگ ڈر گئے اور آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے۔ آدھے افراد گاڑی تک پہنچ گئے تھے لیکن کچھ افراد ساحل پر بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر میں ہوا کی رفتار معتدل ہوگئی۔ اب

ہمارے علاوہ کوئی نہیں تھا۔گاڑی تک پہنچ جانے والوں کو واپس بلایا۔موسم کا لطف اٹھایا۔تھوڑی دیر بعد پانی کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ اس سے پہلے کہ بارش تیز ہوتی، سب گاڑیوں میں بیٹھے اور ہوٹل کی جانب روانہ ہوئے۔

راستہ میں سب کا بریانی کھانے کا دل چاہا، پلان بنا کہ ہوٹل کے باورچی خانہ میں بریانی ہم خود بنائیں گے۔انتظامیہ سے اجازت لی۔قریبی بازار سے بریانی پکانے کے لئے سودا لیا۔ لذیذ بریانی بنائی گئی۔ ہوٹل انتظامیہ نے بھی بریانی کھائی۔ رات جلدی سوئے، صبح ساڑھے پانچ بجے ناران، سیف الملوک روانہ ہونا تھا۔کہتے ہیں کہ سیف الملوک میں صبح صادق کا منظر بہت خوب صورت ہوتا ہے۔اس کے بعد لوگوں کا ہجوم ہوجاتا ہے۔

راستہ میں پھر وہی مناظر—پہاڑوں پر گھروں کے باہر سیڑھی در سیڑھی راستے بنے ہیں۔قریب سے گزرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ڈھلان کو ہموار کرکے کاشت کی گئی ہے۔ پہاڑوں کو دیکھ کر'' ماہنامہ قلندر شعور'' فروری 2016ء کی

''آج کی بات'' میں تحریر یاد آ گئی۔ لکھا ہے —

''زمین کا نظر آنے والا رخ ظاہر اور نظر نہ آنے والا رخ باطن ہے۔ بیج کا زمین کی سطح سے باہر آنا غیب سے ظاہر ہونا ہے۔ بیج جب پودے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو پودے کا ربط زمین میں موجود بیج سے قائم رہتا ہے۔ اللہ کے نظام میں ہر شے اعتدل اور معین مقداروں کے ساتھ قائم ہے۔ اعتدال کے لئے ضروری ہے کہ درخت جتنا اونچا ہے اسی مناسبت سے زمین میں پھیلا ہوا ہو اس لئے کہ ظاہر باطن کا عکس ہے۔ فاصلہ چاہے جتنا ہو — شے کا مرکز سے رشتہ برقرار رہتا ہے — مرکز لائف لائن ہے۔''

قارئین ! پہاڑوں کی بلندی یہ سکھاتی ہے کہ بلند ہونے کے لئے زمین پر قدموں میں توازن ضروری ہے۔ بلندی کا انحصار بنیاد پر ہے۔ اونچی عمارت کی تعمیر کے لئے بنیاد گہری ہوتی ہے۔ دو منزلہ مکان کی تعمیر کی بنسبت بڑے پلازا کے لئے زیادہ کھدائی کی جاتی ہے، زیادہ مقدار میں سریوں کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح کردار کی بلندی کا تعلق پہاڑ یا سمندر جیسے ظرف اور سوچ میں وسعت سے ہے۔

اندازہ ہوا کہ سامنے موجود پہاڑ تقریباً پانچ ہزار فٹ اونچا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین میں بھی اتنا گہرا ہوگا۔ زمین کے اندر پہاڑ کی مقدار بڑھ گئی تو پہاڑ دھنس جائے گا۔ زمین کے اوپر پہاڑ کی طوالت میں فرق آیا تو پہاڑ اکھڑ جائے گا۔ اس طرح پہاڑ کی کل طوالت دس ہزار فٹ ہوئی۔ جو حصہ نظر آ رہا ہے وہ ظاہر اور جو زمین کے اندر ہے، وہ باطن ہے۔ تصویر کے دو رخ ہیں — تصویر ایک ہے۔

بلند و بالا، خاموش اور دھند سے ڈھکے پہاڑ بظاہر جمے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم ان کو جمے ہوئے اس لئے دیکھتے ہیں کیوں کہ پہاڑ کے ایک سانس کا دورانیہ پندرہ منٹ ہے۔ پہاڑ کا سکوت سانس کی رفتار کی وجہ سے ہے۔ سوال ہے کہ اگر ہم اپنے سانس کا دورانیہ پندرہ منٹ تک لے جائیں تو کیا پہاڑ کی حقیقت سے واقف ہو جائیں گے —؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم دیکھتے ہو کہ پہاڑ جمے ہوئے ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' (النمل: ۸۸)

پہاڑ جمے ہوئے محسوس ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم راہ نمائی کرتا ہے کہ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کا بادلوں کی طرح اڑنے کا مطلب کیا ہے —؟ ہر شے متحرک ہے، زمین اپنے مدار میں دو زاویوں میں حرکت کر رہی ہے، پہاڑ بھی حرکت میں ہیں۔ پہاڑ زمین کو توازن میں رکھنے کے لئے بنائے گئے ہیں، لیکن جب پہاڑ اڑ رہے ہیں تو پھر زمین کا توازن کیسے قائم ہے —؟ غور کرنا ہوگا کہ پہاڑ اور پہاڑ کا بادلوں کی طرح اڑنا کیا ہے —؟

میں نے پوچھا، ناران آگے ہے یا پیچھے رہ گیا۔ خالہ زاد بہن نے کہا کہ ناران آگے ہے اور پیچھے بھی۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی—؟ بتایا کہ مخالف سمت سے آنے والے کے لئے ناران پیچھے اور ہمارے لئے آگے ہے۔ جواب دل چسپ تھا۔

میں نے پوچھا، ناران جب آگے ہے اور پیچھے بھی، پھر ناران ہے کہاں—؟ خالہ زاد بہن کی پیشانی پر بل آگئے اور ہم دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا جس سے پاس بیٹھے ہوئے لوگ متوجہ ہو گئے۔ ہر شخص فہم کے مطابق بات کرتا ہے، حقیقت جاننے والے کم ہیں۔

سفر کے دوران ذہن میں بے شمار سوالات آئے۔ زمین گردش میں ہے تو کیا سمتیں تبدیل نہیں ہوتیں؟ جو شے گردش میں ہے، اس کی سمت کا تعین کیسے ہوسکتا ہے—؟ زمین سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ صبح ہوتی ہے تو مشرق سورج سے قریب ہوجاتا ہے اور مغرب میں سیاہی پھیل جاتی ہے۔ ہر علاقہ کا شمال، جنوب، مشرق اور مغرب ہے۔ پاکستان سے بھارت کی جو سرحد ملتی ہے اس کو ہم مشرق کہتے ہیں، بھارت کہتا ہے کہ پاکستان مغرب میں ہے۔ ایک بارڈر، ایک وقت میں مشرق ہے اور مغرب بھی!

ناران پہنچ کر پراٹھے، انڈے اور حلوے کا ناشتہ کیا، حلوا سوجی کا تھا۔ سیف الملوک کے لئے روانہ ہوئے، راستے ایسے ہیں کہ کھانا جلدی ہضم ہوجاتا ہے۔

ڈرائیور نوجوان تھا۔ بات کر کے معلوم ہوا کہ گاڑی اس کی اپنی گاڑی ہے، اس کے دادا نے تینتیس سال پہلے بتیس ہزار روپے میں خریدی تھی۔ گاڑی کا بہت خیال رکھا گیا تھا۔ لگتا نہیں تھا کہ جیپ اس قدر پرانی ہوگی۔ رنگ و روغن، باقاعدہ مینٹیننس اور صحیح طریقہ سے چلانے کی وجہ سے گاڑی اچھی حالت میں تھی۔ ڈرائیور نے بتایا کہ دس لاکھ قیمت لگی ہے جیپ کی لیکن میں نے فروخت نہیں کی۔

سیف الملوک کا راستہ سری پائے کے راستہ سے بہت بہتر ہے مگر یہ بھی کچا ہے۔ اکثر جگہوں پر لوگ ہاتھوں میں بیلچہ لئے گڑھے بھرتے نظر آئے جنہیں آتے

جاتے لوگ کچھ دے کر جاتے تھے۔ سردیوں میں لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے سڑکوں کی حالت اچھی نہیں تھی بہرحال سری پائے کے مقابلے میں سیف الملوک کا راستہ بہتر اور کشادہ ہے۔

پچپن منٹ سفر کے بعد ''کوہی'' سلسلہ نظر آیا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ اس میں فلانی چوٹی کا نام ملکہ پربت ہے جو اس پری کے نام پر رکھا گیا ہے جس کے لئے شہزادہ سیف مصر سے آیا تھا۔

پری شہزادی تھی—نام بدرالجمال تھا۔ باتوں باتوں میں سیف الملوک آ گیا۔ کوشش کے باوجود جلدی پہنچنا ممکن نہ ہوسکا۔ اس وقت دس بج رہے تھے۔

سیف الملوک پہنچے تو وہاں ایک بوڑھے شخص نے سیف الملوک کی کہانی سنائی جو فسانہ تھی۔

ہم نے پوچھا: آپ کو پریاں نظر آئیں؟

جواب نفی میں تھا۔

ہم نے کہا کہ آپ نے پریوں کے لئے چلّہ نہیں کاٹا؟

ہلکی مسکراہٹ ابھری، جان چھڑانے کے لئے منہ پھیر کر کہا کہ اب نظر نہیں آتیں، پہلے آتی تھیں۔ اب لوگوں کا رش بڑھ گیا ہے۔ وہ جان گئے تھے کہ ہم انہیں پریاں دکھانے پر بضد ہیں تو کہنے لگے کہ بچپن میں نظر آتی تھیں۔ ایک منٹ میں دو مختلف باتیں سن کر کہانی فسانہ بن گئی۔ کہانی سنانے کے پیسے دیے تھے۔

سورج نے آتش فشاں کا روپ دھار لیا تھا — تمازت بڑھ گئی تھی۔ جھیل کے دوسرے کنارہ پر پہنچنے تک چہرہ سرخ اور جلد جل رہی تھی جو کراچی پہنچنے تک سیاہی مائل ہوگئی۔ ہماری ناک زیادہ متاثر ہوئی— بہرحال ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ کر خوب ہنستے۔ ہنسنے والوں میں فی میل کے بجائے میل زیادہ تھے۔ بارہ بجے جیپ تک پہنچنا تھا۔ پینتالیس منٹ باقی تھے۔

بیس منٹ پیدل چل کر ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے جھیل کے پانی کا اخراج ہوتا ہے اور پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دریائے کنہار میں داخل ہوجاتا

ہے۔ مجھے سیف الملوک جھیل نے متاثر نہیں کیا البتہ بڑے شہروں میں رہ کر مناظر فطرت سے دور ہونے کی وجہ سے ہر اس منظر سے لطف اٹھایا جو بڑے شہروں میں نہیں ہے۔

رات بالاکوٹ میں قیام کیا۔صبح ساڑھے پانچ بجے اسلام آباد کے لئے نکلنا تھا جہاں سے کراچی روانگی تھی۔ مغرب ہوتے ہی رات کا کھانا کھایا۔کھانے کے بعد خانساماں کو جا کر بتایا کہ کھانا بہت اچھا تھا،شکریہ۔

وہ صاحب تعریف سن کر بہت خوش ہوئے اور بتایا کہ چند روز پہلے لاہور سے بالاکوٹ آئے ہیں۔گھر والوں کو یاد کرتے ہیں۔اور ہمیں سمجھ میں آگیا کہ کھانے میں گھر جیسا ذائقہ کیوں تھا۔

ایک فلم دیکھی تھی جس میں ایک خاتون ریستوران میں ملازمت کرتی تھیں۔ بہت محنت سے کھانا بناتیں لیکن کھانے میں وہ بات نہیں آتی۔ پریشان ہو کر ایک دن روتے ہوئے کھانا بنایا،جس نے کھایا وہ رونے لگا۔ وہاں موجود گرو نے خاتون کو گر بتایا—

"خوشی وسکون سے کھانا پکاؤ،تم جو سوچتی ہو اس کے اثرات کھانے میں شامل ہو جاتے ہیں۔"

اس روز جب خاتون نے مسکراتے ہوئے کھانا پکایا تو ہر کھانے والا مسکرا رہا تھا۔

یہ وہ گر ہے جو گڑ کی طرح سب کے لئے میٹھا ہے۔

رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ ہوٹلوں کی موجودگی کی وجہ سے سڑک روشن تھی۔لوگ لان میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ کچھ کھانا کھا رہے تھے۔ بوندا باندی کی وجہ سے مٹی کی خوش بو سے ماحول معطر تھا۔

پہاڑوں کی چوٹی پر بنے گھروں میں جلے بلب دیکھ کر ایک لمحہ کو محسوس ہوا کہ ستارے ہیں۔ ویسے ستارے بھی بلب ہوتے ہیں اور بلب میں روشنی اپنی نہیں ہوتی،گرڈ اسٹیشن سے آتی ہے۔

صبح مقررہ وقت پر سب تیار تھے۔گاڑی پنڈی کی طرف رواں دواں تھی۔ دریائے کنہار کا پانی بالاکوٹ پہنچ کر مٹی کے ملنے سے ہلکا گدلا نظر آتا ہے۔ اس طرح خیبر کی خوب صورت وادیوں کا سفر اختتام کو پہنچا۔

قارئین! سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے۔سیکھنے کا تعلق تفکر سے ہے۔تفکر نہ ہو تو سفر محض تفریح بن جاتا ہے۔ہم کراچی سے باہر گئے تو کراچی میں غائب اور جہاں گئے،وہاں ظاہر ہو گئے۔شمالی علاقوں سے واپس آئے تو کراچی میں ظاہر ہو گئے۔

زندگی بھی سفر ہے—اور غیب ظاہر غیب کی بیلٹ پر قائم ہے۔ ہر لمحہ غائب ہو کر دوسرا لمحہ مظہر بن رہا ہے۔ لمحہ جہاں سے آرہا ہے اور مظاہرہ کر کے جہاں پلٹ رہا ہے—وہ اصل ہے۔زندگی کے سفر میں کامیابی،زندگی کی کنہ سے واقفیت میں ہے۔

(آخری قسط)

ARE YOU DEPRIVED
OF THE MOST WONDERFUL GIFT
LIFE HAS TO OFFER?
FREE
CONSULTATION
HOPE FOR INFERTILE COUPLES
AUSTRALIAN
CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER
CUTTING EDGE
TECHNOLOGY
IVF / GIFT / PROST / TESE / PGD
Embryo Cryopreservation
Assisted Hatching
Intra Cytoplasmic Spermic Injection (ICSI)
Frozen Embryo Programme
Ovulation Monitoring
Hormone Evaluation
Semen Evaluation
Infertility Counseling
Washed Sperm Evaluation
Sperm banking for pre-vasectomy, chemotherapy or radiotherapy patients
CHILD
IS A BLESSING
ATTENTION
INFERTILE COUPLES
PGD
FAMILY BALANCING
Please contact for Free Consultancy with ACIMC Specialist
HEAD OFFICE:
32-A, BLOCK-5, ROJHAN STREET, KEHKASHAN, CLIFTON, NEAR BILAWAL CHOWRANGI, BEHIND BAR.B.Q. TONIGHT, KARACHI
TEL : +92-21-35862353, 35862367, 35371452-53
E-mail: concept@cyber.net.pk Web: www.acimc.org
australianconcept
For Appointment Contact:
0321-8266469
Hyderabad: 022-2780375-76 | Larkana: 074-4164963, 4040045 | Multan: 061-4573227 | Lahore: 042-35853674-75 |
Islamabad: 051-2818058, 8540227 | Faisalabad: 041-8540226, 8540227 | Quetta: 081-2868475

KASHAN ENTERPRISE

ENGINEER,CONSULTANT & ELECTRICAL CONTRACTOR

SERVICES:

• LT Sub Station • Power Distribution • Lighting System • Lightning Protection system • Earthing System • Local and Imported UPS • Solar panels • Fire alarm and Gas Detection System • CCTV and Security System • PABX and Telephone system • Public Addressable System • Maintenance packages • LED lighting • Prepaid Electricity Meters • Data Networking system and I.T solutions.

The service list is a selection of work that we carry out but it is not exhaustive. If the required work is not listed, you may contact us, we would be pleased to give you a quote.

Add: B-40, Sector 4-C, Surjani Town, Karachi, Pakistan.
Kashan Ali: 0321-2154178
Info@Kashan-Enterprise.Net *WWW.KASHAN-ENTERPRISE.NET*

ڈاکٹر یاسر ذیشان

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند

یہ فکر و خیال اور احساسات و جذبات کا وہ عطر ہے جس کی خوش بو انسانیت کی شان اور دردِ دل کا درمان ہے۔ دل مسکنِ روح اور اہلِ نظر کے لیے جبلِ طور ہے۔ تصوف و عرفان، توحید و رسالت اور پیچیدہ فلسفیانہ مسائل خوبی سے رباعی میں سما جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاص نظام کے تحت کائنات تخلیق کی جس سے موجودات میں ہم آہنگی ہے۔ چاند، سورج اور زمین معین نظام کے تحت مدار میں گردش کررہے ہیں۔ آسمان، زمین اور سمندر میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو دوسری چیزوں سے ہم رشتہ نہ ہو اور ان میں تغیرات کے اثرات ایک دوسرے پر نہ ہوں۔

نوعِ آدم اور کائنات کے اس تعلق کو ادبی اصطلاح میں جمالیات کہا گیا ہے۔ ادب میں جمالیات سے مراد فنونِ لطیفہ کی مدد سے افکار کا اظہار اور افکار کو حسن و جمال کے نت نئے پیکروں میں ڈھالنے کی کوشش ہے۔ جمالیات میں مناظر فطرت کو تشبیہ اور استعارہ کے ساتھ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ زندگی اور مخلوق کے رشتہ کی تفہیم ہو۔

1857ء کے بعد اردو شاعری کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس میں کلاسیکی عمل کے ساتھ جمالیات کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس دور میں الطاف حسین حالی نے جدید شاعری کی بنیاد مقصدیت پر رکھی — علامہ اقبالؒ حالی کی مقصدیت کو آگے لے کر چلے۔

فطرت پسندی کے زیرِ اثر شاعری نے تصوف کے راستہ سے کائنات کی معنویت تلاش کرنے کی کوشش کی۔ فطرت شناسی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ شعرا فن کا کمال دکھاتے رہے، فطرت سے محبت کو مختلف موضوعات سے سجاتے، سنوارتے اور منفرد رنگ و آہنگ عطا کرتے رہے۔

اکیسویں صدی میں صوفیانہ ادب کی نشو و نما شعر و نثر بالخصوص فطرت شناسی کے حوالہ سے سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاؒ نے بھرپور انداز میں کی۔

حضرت سید محمد عظیم برخیاؒ نے روحانیت اور ادب دونوں کی خدمت کی۔ ان کی شاعری سخن کے جس دبستان سے تعلق رکھتی ہے، اس کا سرچشمہ تصوف اور

فطرت پسندی ہے۔ رباعی کے ذریعے کلاسیکی روایت کو زندہ کیا، موضوعات میں تصوف شامل کر کے فطرت سے محبت کو تحریک دی اور زبان کی نشو ونما کی۔ ان کے یہاں طرزِ بیان کی ندرت، سہلِ ممتنع کی صنعت اور قوتِ تاثیر ملتی ہے۔

رباعی اصنافِ سخن میں مشکل صنف ہے۔ اس میں مخصوص وزن کے چار مصرعوں میں ایک خیال ادا کیا جاتا ہے۔ چار مصرعوں میں نکتہ اس موثر انداز میں پیش کرنا کہ تیرِ نیم کش کی نوک بن جائے۔

رباعی میں دل کا لہو کشید ہوتا ہے۔ یہ فکر و خیال اور احساسات وجذبات کا وہ عطر ہے جس کی خوش بو جامۂ انسانیت کی شان اور دردِ دل کا درمان ہے۔ دل مسکنِ روح اور اہلِ نظر کے لیے جبلِ طور ہے۔ تصوف و عرفان، توحید ورسالت اور پیچیدہ فلسفیانہ مسائل خوبی سے رباعی میں سما جاتے ہیں۔

رباعیات قلندر بابا اولیآؒ میں تنوع اور اسالیب کی رنگارنگی ہے۔ ہر رباعی سے قدرتِ کلام، فنِ رباعی کی نزاکتوں سے آگہی اور موضوعات ومواد پر عمیق نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے پڑھنے سے قاری کو تازگی، شگفتگی، نکھار، نیا پن اور طرح داری کا احساس روح کی گہرائیوں میں ہوتا ہے۔

حضرت سید محمد عظیم برخیآؒ نے رباعیات کی جمالیات میں ایک الگ دنیا بنائی جس میں قدرت کے تمام رنگین نظارے، انسان، آدمی زمین، سورج، چاند ستارے، جنت، دوزخ، ہوا، مٹی، پانی، قطار در قطار خوش بو بکھیرتے پھول اور نغمے گاتے پرندے موجود ہیں۔

ان رباعیات میں فطرت کا حسن قاری کی رومانیت کو بیدار اور متحرک کرتا ہے۔

ابدالِ حق کی فطرت پسندی میں آگہی، تخلیقی حسن اور بصیرت کا جو ہر موجود ہے جو بظاہر فطرت کے ساتھ جمالیاتی رابطہ کا اظہار ہے۔

مظاہرِ فطرت سے متعلق ابدالِ حق کی رباعیات تین طرح کی ہیں۔

۱۔ ان میں تقریباً ساری تمثالیں مظاہرِ فطرت کی ہیں۔ ان تمثالوں کی حیثیت علامتی و استعاراتی ہے جن کے ذریعے انفرادی یا اجتماعی انسانی احوال و اقدار کی ترجمانی کی گئی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل رباعی کے چاروں مصرعے عناصرِ فطرت کی عکس بندی کر رہے ہیں۔

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند
سبزہ ہو صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے
جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند

۲۔ یہ رباعیات وہ ہیں جن میں فطرت کے کسی ایک مظہر یا زیادہ مظاہر کو موضوع بنایا گیا ہے اور ان

کی ہی کسی کیفیت یا اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔
جیسا کہ یہ رباعی:

جب تک کہ ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر
جب تک کہ لکیر میں ہے خُم کی تصویر
جب تک کہ شبِ مہ کا ورق ہے روشن
ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر

۳۔ ان رباعیات میں مظاہرِ فطرت کی تمثالیں نوعی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے نوعِ آدم کے احوال و اقدار کے ساتھ کسی نہ کسی تعلق سے آئی ہیں۔ یہ تعلق پس منظر کا بھی ہے اور اشتراک کا بھی۔ دوسری قسم کی رباعیات کے مقابلہ میں تیسری قسم کی رباعیات کی تعداد زیادہ ہے۔اس طرح تمام رباعیات میں کائنات کی ہر شے کا انسان سے تعلق بیان ہوا ہے۔

مظاہرِ فطرت کی تمثالوں میں نوعی حیثیت برقرار رکھنے کی علامت کے طور پر رباعی پیش خدمت ہے۔

مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں
انسان بھی اسی سے بالیقین بنتے ہیں
مٹی تو ہے یہ مگر اسی مٹی سے
کتنے رخ و زلف نازنین بنتے ہیں

رباعیات میں مٹی کا ذکر جا بجا ہے۔مٹی نے قوتِ زرخیزی سے روشنی، حرارت، پانی اور ہوا کے ساتھ مل کر عالمِ نباتات اور جمادات کی بہت سی اشکال، انواع اور صورتوں کو محفوظ رکھا اور جمادی کیفیت کے سہارے اس زمانہ کی ان گنت صورتوں کو ہم تک پہنچایا۔

رباعیات میں مٹی ایک ایسی تخلیقی قوت کے طور پر موجود ہے جس کا کردار ہر وجود کی تخلیق میں ہے—ان کی رباعیات میں مٹی دنیا کی فنا کا ایک استعارہ بھی ہے۔کئی رباعیات میں مٹی کا حوالہ اس طرح ہے:

- یہ کاسۂ سرشاہ کی مٹی کا ہے
- مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج
- ساغر میری مٹی سے بنے گا سو بار
- کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں
- مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں
- مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اُڑ کر
- مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں
- مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس
- مٹی کی بناوٹ کا ہے ایک نام دماغ
- مٹی کے سبو شراب کی محفل ہیں
- مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے
- مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا
- مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
- انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے
- انسان کی مٹی سے بنا ہے ساغر

کئی رباعیات میں مٹی کو خاک کہا گیا ہے جیسے —

؎ میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا
؎ معلوم ہوا یہ خاک مٹھی بھر ہے
؎ اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
؎ تبدیل ہوئی جو خاک گورستاں میں

عناصرِ فطرت میں پانی قابل ذکر ہے۔ پانی روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ بڑے بڑے سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور چشموں میں پانی کی فراوانی کا کوئی اندازہ نہیں۔ پانی بنائے حیات ہے، اس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں۔ یہ قدرت کی عجیب وغریب نعمت ہے۔ بہاؤ اس کی فطرت میں داخل ہے۔

پانی سے متعلق روایتیں بھی ہیں جو مذہب اور تہذیب میں داخل ہیں جیسے، آب زم زم اور آبِ حیات کا قصہ، دریائے نیل کی کہانیاں۔

قرآن کریم میں مخلوقات بشمول آدمی کی پیدائش پانی سے بتائی گئی ہے۔ ابدالِ حق کی شاعری میں پانی کا استعارہ ایسی علامت ہے جو روح کی سیرابی ہے۔

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

اس رباعی میں حضرت سید محمد عظیمؒ فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب! اپنے عرفان کی شراب میرے اُوپر اتنی عام کردے کہ جتنی چاہوں پی لوں۔ طلب سے زیادہ عطا کردے۔ اے میرے محبوب ساقی! میری سانسیں جب پوری ہو جائیں گی تو میرے جسم کا پیالہ قطرہ قطرہ پانی بن کر فضا میں تحلیل ہو جائے گا۔

ابدالِ حق نے پانی کو روحانی جام کے استعارہ کے طور پر شاعری میں استعمال کیا ہے۔

اس کے علاوہ کائنات اور عناصرِ کائنات جیسے زمین، آسمان، چاند جنت وغیرہ کے بارے کئی رباعیات ہیں۔ جیسے —

اب ذکر زمین و آسماں کیوں کر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیوں کر ہو
جس لمحہ کہ آسمان زمین ٹکڑے ہوں
وہ لمحۂ پیچیدہ عیاں کیوں کر ہو

نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
افتادِ طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغِ رضواں چھوڑا

حضرت سید محمد عظیم برخیاؒ کی رباعیات کائناتی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ غور وفکر کیا جائے تو ہر رباعی علم وعرفان کے سمندر میں شناوری ہے۔

عائشہ خان

مرشد کی باتیں

وضاحت فرمائی کہ میں تو ہوجاؤں تو میں ہوجا میں بدن ہوجاؤں تو جان ہوجا۔ تخلیق کے دورخ اس طرح ایک دوسرے میں جذب ہوجائیں کہ دیکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ایک تصویر الگ ہے اور ایک تصویر الگ!

جب کبھی وہ واقف اسرارِ کن فیکون ، نظامِ تکوین میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی شخصیت اور ان کی تعلیمات پر تفکر کرتا ہے کہ ابدالِ حق کی ہستی کن اعلیٰ اوصاف کی حامل ہے اور نوعِ جن و انس کو جن تعلیمات سے روشناس کرایا ہے، وہ کیا ہیں —

لاشعور راہ نمائی کرتا ہے۔ اطلاع آتی ہے، دماغ کی اسکرین پر بکھر جاتی ہے۔ لہروں میں باوقار ہستی کا عکس بنتا ہے۔ غیب کی آواز بولتی ہے کہ ابدالِ حق کی تعلیمات سے واقف ہونا ہے تو اپنے مرشد کریم سے دوستی کرو کیوں کہ ابدالِ حق کی تعلیمات تمہارے مرشد ہیں۔

اندر میں آواز کہتی ہے کہ استاد جسے اپنا ذہن عطا کردے، وہ شاگرد ہے اور شاگرد استاد کا عکس ہے۔ ذہن منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبول کرنے والے نے نفی کرکے خود کو مرشد کے حوالہ کردیا۔

خیال کہتا ہے کہ مرید خول اور خول میں جان مرشد ہے۔ ذہن ایک اور قالب دو ہوں تو اسے دو نہیں کہتے — وہ ایک ہیں۔

ایک ہونے کے باوجود دو اس لئے نظر آتے ہیں کہ اگر ایک نظر آئیں تو شعور سوال بن جائے گا۔

ایک روز دل کے مکین سے پوچھا:

یہاں سے جاتا ہوں، تشنگی رہ جاتی ہے۔ اپنا آپ خالی محسوس ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ ایسا کیوں ہے —؟

فرمایا: وجود تکمیل چاہتا ہے۔

حضور! تکمیل کیسے ہو —؟

چینی اور پانی سے شربت بنتا ہے۔ شربت بنانے کے لئے کیا کرتے ہیں؟

چینی اور پانی ملاتے ہیں۔

چینی پانی میں کب ملتی ہے —؟

چینی پانی میں گھل جاتی ہے۔

چینی پانی میں کب گھلتی ہے —؟

جب دونوں کی مقداریں ایک ہوجائیں۔

فرمایا: یہی آپ کی بات کا جواب ہے!

پانی کی اسپیس بڑی اور چینی کی چھوٹی ہے۔ چینی پانی میں حل ہونے کے لئے نفی کرتی ہے اور فنا ہو کر بقا ملتی ہے۔

ایک بار قلندر باباؒ کے بارے میں کچھ پوچھا تو فرمایا:

من تو شدم ، تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

وضاحت فرمائی کہ میں تو ہو جاؤں تو میں ہو جا، میں بدن ہو جاؤں تو جان ہو جا۔ تخلیق کے دو رخ اس طرح ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں کہ دیکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ایک تصویر الگ ہے اور ایک تصویر الگ!

مرشد کریم نے جب اپنے عظیم مرشد کا ذکر کیا تو چہرہ پر محبت کی مٹھاس گہری ہو گئی اور آنکھوں میں سلیٹی رنگ کے گرد نیلگوں کناروں میں خمار چھا گیا۔ مسکراہٹ اتنی خوب صورت کہ ــــ؟

استاد کا احترام کیا ہوتا ہے، یہ مرشد سے سیکھا ہے۔ ایک مرتبہ کسی تحریر میں ابدالِ حق کا ایک قول شامل کیا جو عام فہم سے بالا تھا۔

شیخ نے فرمایا کہ اسے مت لکھو، سمجھ میں نہیں آئے گا۔

اس نے ان سطروں پر لکیر پھیر دی یہ واضح کرنے کے لئے کہ مضمون میں شامل نہیں کرنا ہے۔

شیخ نے تحریر پر لکیر سے الفاظ کو کاٹتے دیکھا تو یہ بات ناپسند ہوئی اور فرمایا، قلندر باباؒ کی تحریر پر کبھی لکیر مت پھیرنا ــــ یہ گستاخی ہے۔ دائرہ بنا دیا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ جو انہوں نے فرمایا وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

اس روز زندگی کا بہت بڑا سبق سیکھا کہ یہ اور اس کے علاوہ کتنی باتیں ایسی ہیں کہ بے ادبی ہو جاتی ہے لیکن احساس نہیں ہوتا۔ تحریر لکھنے والے کا ذہن، ان کے الفاظ ہیں۔ ہر عمل طرزِ فکر کی نشان دہی ہے۔ بہر حال عام لفظ ہو یا خاص ــــ وہ سب پر دائرہ بنا دیتا ہے۔

دائرہ بنانے سے زندگی دائرہ میں آتی ہے۔ دائرہ محدود لیکن اپنی طرزوں میں لامحدود ہے۔ یہ اللہ کی صفت محیط، صفت قدیر و قادر، حاضر و ناظر، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی صفات کی علامت ہے ــــ دائرہ پر اللہ محیط ہے۔

سمجھ میں یہ آتا ہے صفات، ذات سے الگ نہیں لیکن ذات اور ہے اور صفات اور۔

ذات ــــ صفات پر محیط ہے۔

ذہن کا منتقل ہونا ــــ دوئی ختم ہونا ہے۔ ابدالِ حق

قلندر بابا اولیاؒ — نظامِ تکوین میں صدرالصدور ہیں۔ رحمت للعالمین حضرت محمدؐ کے حکم سے ''لوح وقلم'' تحریر فرمائی۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میرا سارا علم ''لوح وقلم'' ہے۔قلندر باباؒ نے''لوح وقلم'' لکھوانے کے لئے صبح چار بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔وہ فرماتے تھے، میں الفاظ سنتا اور لکھتا جاتا تھا۔آواز کے ساتھ ان کے ماتھے پر اسکرین چلتی تھی ، میں آواز کے ساتھ الفاظ کا مشاہدہ بھی کرتا تھا۔ ایک طرف ان کی آواز کا دباؤ اور پھر فلم چلتے دیکھنا، ذہن پر بہت دباؤ پڑتا تھا جس سے میں سو جاتا تھا — وضو کے بعد پھر حاضر ہو جاتا تھا۔

مرشد کریم ''لوح وقلم'' کے امین ہیں۔لوح وقلم قرآن کریم کی تفسیر — تخلیقی فارمولوں کی دستاویز ہے۔تخلیقی فارمولے علم الاسما ہیں جو کن فیکون یا کائنات کی تخلیق کا علم ہے۔سائنس جن رازوں کو تلاش کررہی ہے وہ سب قرآن کریم میں ہیں۔

جیسے کہ

★ ٹائم اوراسپیس کی پہنائیاں کیا ہیں۔

★شے (ہرنوع) کیا ہے اورکن مقداروں کا مرکب ہے۔

★لہریں کس طرح تخلیق ہوتی ہیں اورلہروں کے دوش پر وجود ایک مقام سے دوسرے مقام پر کیسے منتقل ہوتا ہے۔

★چاند ، سورج ، کہکشانی نظام، اجرامِ فلکی، زمین اور زمین کے اندر موجود دنیا کا نظروں کے سامنے آنا کیا ہے۔

★مادی سائنس کا انحصار مادی آلات پر ہے،جس کے نتائج قیاس پر مبنی اور محدود ہیں جب کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اے جن و انس ،تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نہیں نکل سکتے ،مگر سلطان سے۔''

(الرحمٰن:۳۳)

اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ مرشد بادشاہ ہیں اور بادشاہ کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

★امر کیا ہے اور امر کا قانون کیسے کام کرتا ہے۔اللہ احسن الخالقین ہے یعنی تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق۔ یہ اشارہ ہے کہ اللہ نے تخلیق کا علم اپنے خاص بندوں کو عطا کیا ہے جو اللہ کے حکم سے کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔

قارئین! اسرار ورموز بہت ہیں اور صفحات کم!

قریب سے دیکھنے کا جتنا موقع اللہ نے عطا کیا، یہ جانا کہ شیخ کا ذہن اپنے مرشد ابدالِ حق سے نہیں ہٹتا۔ ہر موضوعِ سخن میں قلندر باباؒ کا نام آجاتا ہے کہ

انہوں نے یہ فرمایا —

انہوں نے یہ فرمایا —

انہوں نے یہ فرمایا —

ایک مرتبہ تحریر لکھواتے ہوئے شیخ رک گئے اور فرمایا:

نہیں! یہ نہیں لکھنا، منع کر دیا ہے!

وہ چونک گیا اور یہ سیکھا کہ ٹائم اور اسپیس روحانی ہستی کے تابع ہیں۔خوش نصیبی سے اللہ کا دوست — دوست بن جائے تو ہر لمحہ قرب ہے۔

مرشد کریم دن رات علم کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں تا کہ نوعِ آدم اور نوعِ جنات اللہ کا عرفان حاصل کر کے سکون سے آشنا ہوں۔

جو باغ ابدالِ حق نے لگایا ہے، شاگر دِرشید نے اس کی خوش بو دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک اللہ نے کامیابی عطا فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں کہ مرشد مکمل ایثار ہوتا ہے۔ابدالِ حق نے سولہ سال شب و روز میرے گھر قیام کیا۔ مجھ سے غلطی ہوتی تو ان کا رویہ مشفق باپ اور استاد کا تھا۔ ہمیشہ درگزر فرمایا اور محبت سے خامیوں کی اصلاح کی کہ پھر جس بات سے انہوں نے منع فرمایا الحمدللہ میں نے کبھی نہیں کیا۔

معمول تھا کہ ہفتہ کے روز گھر جاتے اور پیر کی شام آفس کے بعد واپس آجاتے۔ صُلبی و روحانی، دونوں اولادوں کی ذمہ داری بحسن وخوبی ادا کی۔

اس نے شیخ سے عرض کیا کہ شاگرد مرشد کے قرب کے لئے تڑپتا ہے۔ آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ خود مرشد نے آپ کے گھر قیام فرمایا۔اب جب میں آپ کا قرب چاہتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ سولہ سال معمولی عرصہ نہیں ہے۔ تربیت کا ایک دور مکمل ہوا اور سولہ سال کی رفاقت کے بعد وہ گھر واپس گئے۔

سوال کیا کہ آپ نے کیسے برداشت کیا؟

فرمایا: میں برداشت نہیں کر سکا۔ بہت برا حال تھا۔ کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔گھر کی زیارت سے سکون ملتا تھا۔

وہ سوچتا ہے کہ ابدالِ حق کیسے ہیں—؟

دل کہتا ہے کہ تمہارے مرشد کے جیسے ہیں۔

بہت مرتبہ خیال آیا کہ ابدالِ حق کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔لیکن مرشد کریم سے کیسے کہتا۔شکریہ تو اس وقت ادا ہوتا ہے کہ جب نعمت کی قدر کی ہو۔ کوتاہیوں اور خامیوں کا احساس اس قدر بڑھ جاتا کہ زبان ساتھ نہ دیتی اور شکریہ ادا نہ کرنے پر اندر میں کوئی ملامت کرتا۔

ایک روز یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ جیسا بھی ہوں، شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

حضور! کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بہت مرتبہ دل میں خیال آیا لیکن ہمت نہیں ہوئی۔

کہو، کیا کہنا ہے—؟

میری طرف سے قلندر بابا اولیاؒ کا شکریہ ادا کر دیں کہ ہمیں آپ مل گئے۔

چہرہ پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔

فرمایا: آپ خود شکریہ ادا کر دیں۔

سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ تو اپنے مرشد کے سامنے اتنی مشکل سے یہ بات زبان پر لایا۔

وہ خاموش رہا۔

فرمایا: میں بھی کہہ دوں گا، آپ بھی شکریہ ادا کر دیں۔

وہ خیال میں بے خیال ہونے لگا ہے۔اب جو کام

کرتا ہے اس طرح کہ مرشد دیکھ رہے ہیں۔ باتیں کرتا ہے، سوال پوچھتا ہے، جواب ملتے ہیں۔

ایسا بھی ہوا کہ جب تصور احساس میں تبدیل ہوا تو عود کی خوش بو پھیل گئی— مظہر بننے کا مرحلہ باقی ہے۔

قرب کی تڑپ بڑھنے سے گداز آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ احساس مظہر بن جائے۔

حذمت میں حاضر تھا۔

حضور! ملاقات میں تعطل آجائے تو—

مسکرائے اور فرمایا— برداشت نہیں ہوتا۔

عرض کیا: جی ذہن منتشر اور میں بے حال ہوجاتا ہوں۔

فرمایا: اپنے دل میں دیکھو— دنیا مسافر خانہ ہے۔ جو آتا ہے وہ چلا جاتا ہے اور جہاں چلا جاتا ہے وہاں سے نیا سفر شروع ہوجاتا ہے۔ دل میں دیکھو،

''دل کا دیکھنا جھوٹ نہیں ہوتا۔''

میرا یہ عالم تھا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے پیر دباتا تھا کہ میں قلندر باباؒ کے پیر دبا رہا ہوں۔ میں خود سے الگ سمجھتا ہی نہیں تھا۔

اس نے سوچا کہ مرشد کی باتیں قصے کہانیاں نہیں ہیں، ان میں سبق ہے۔ احساس اس وقت مظہر بنتا ہے جب ذہن یک سو ہوتا ہے۔ یک سوئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خیالات کے ہجوم میں کسی ایک خیال میں آدمی بے خیال ہوجائے۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکیِ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے، عفتِ قلب و نگاہ

علم فقیہ و حکیم، فقر مسیحؑ و کلیمؑ
علم ہے جو یائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

فقر مقام نظر، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ

علم کا ''موجود'' اور، فقر کا ''موجود'' اور
اشھد ان لا الٰہ، اشھد ان لا الٰہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

(حضرت علامہ اقبالؒ)

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور

فری ممبرشِپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

سید اسد علی

روحانیون

اہلِ دیوان سریانی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور فرشتوں کی زبان سے واقف ہیں۔ وہ پاکیزہ نفوس، زمان و مکان کی حد بندی سے آزاد ہیں۔ ہزاروں سال پہلے کے حالات و واقعات اور زبان کو سمجھ لیتے ہیں البتہ مراتب کے اعتبار سے اہلِ دیوان کی صلاحیتوں میں فرق ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو اس کی دھار ٹوٹ گئی۔ پس یہ وہی مصیبت تھی جو احد کے دن مسلمانوں کو پہنچی۔ پھر اس تلوار کو دوبارہ ہلایا تو پہلے سے زیادہ عمدہ ہوگئی اور وہ یہی تھا جو اللہ نے فتح دی اور مسلمانوں کو جمعیت عنایت فرمائی۔ میں نے اسی خواب میں ایک گائے دیکھی (جو ذبح ہو رہی تھی) اور اللہ تعالیٰ کے تمام کام خیر و برکت لیے ہوتے ہیں۔ تعبیر وہ مسلمان تھے (جو) احد میں (شہید ہوئے)'' (صحیح بخاری)

آپؐ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ مدینہ منورہ ایک مضبوط زرہ ہے۔ گائے ذبح کرنے کا مطلب ہے کہ کچھ صحابہ جنگ میں شہادت کا مرتبہ پائیں گے اور تلوار ٹوٹ جانے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے خاندان میں سے کوئی فرد اس غزوہ میں شہید ہوگا۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کی مجلسِ شوریٰ میں حکمت عملی وضع کی۔ ان میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ شامل تھے۔ سب نے اصرار کیا کہ مدینہ سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ عالمِ فانی سے پردہ فرمانے کے بعد بھی نبی کریمؐ کا یہ معمول قائم ہے۔ روحانی ہستیاں مجلسِ شوریٰ کو ''دیوان الصالحین'' کہتی ہیں۔ لغوی معنی نیک افراد کی عدالت ہے۔

۱۔ دیوان الصالحین کہاں منعقد ہوتا ہے

۲۔ اس کی ترتیب کیا ہے

۳۔ اہلِ دیوان میں کون کون شامل ہوتے ہیں۔

۴۔ اہلِ دیوان کو اللہ تعالیٰ سے ملنے والے انعامات اور تصرفات کیا ہیں؟

روحانی بزرگوں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مختصر ذکر حسبِ ذیل ہے۔

غوث ِ زماں حضرت عبدالعزیز دباغؒ کتاب ''ابریز'' میں فرماتے ہیں: ''صالحین کا دیوان غارِ حرا میں منعقد ہوتا ہے جہاں آقائے دو جہاںؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ دیوان کا سربراہ غارِ حرا کے باہر بیٹھتا ہے۔ چار قطب اس کے دائیں طرف اور تین قطب بائیں جانب بیٹھتے ہیں ۔ دیوان کے سربراہ کے سامنے وکیل بیٹھتا ہے، اسے قاضیِ دیوان کہا جاتا ہے۔ سربراہ اس کے توسط سے اہلِ دیوان سے بات چیت کرتا ہے۔ ساتوں قطب کے ماتحت مزید اولیائے کرام ہوتے ہیں جو اپنے قطب کے زیرِ انتظام اللہ کی مخلوق کی خدمت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ دیوان الصالحین میں اولیاء اللہ خواتین بھی حاضر ہوتی ہیں۔ اولیائے کرام کے بعد فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں اور اس کے بعد نیک جنات بیٹھتے ہیں، انہیں ''روحانیون'' کہا جاتا ہے۔ مجلس دیوان میں جب نورعلیٰ نور تشریف لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دیوان کے اراکین کو یہ صلاحیت عطا فرماتا ہے کہ انوارات سے بہرہ مند ہوں۔ نبی اکرمؐ براہ راست دیوان کے سربراہ کو مخاطب فرماتے ہیں۔ پھر سربراہ دیوان سے ساتوں قطب راہ نمائی لیتے ہیں جن کے توسط سے حکم، دیوان کے دیگر اراکین اولیاء اللہ، ملائکہ اور جنات تک پہنچتا ہے۔''

بزرگ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے فرشتے اہلِ دیوان ہوا کرتے تھے۔ پھر جب حضور اکرمؐ تشریف لائے تو آپؐ کی امت کے اولیاء اللہ کو دیوان میں شامل کیا جانے لگا۔ چناں چہ جب کوئی ولی دیوان میں شامل ہو کر اپنے مخصوص مقام پر آتا ہے تو اس کی جگہ متعین فرشتہ رخصت ہو کر آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ فرشتے اہلِ دیوان کی مدد کرتے ہیں۔

''ہر روز انسان جب صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ۔ ایک کہتا ہے کہ یا اللہ! اچھی جگہ خرچ کرنے والوں کو نعمتیں عطا کر دیجئے۔ دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! دولت کو ذخیرہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیجئے۔ جب یہ فرشتے انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو طبیعت میں اچھے کام کرنے کے رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔ فرشتے گروپ میں جمع ہوتے ہیں — اڑتے پھرتے ہیں آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ فرشتوں کے گروپ میں نیک انسانوں کی روحیں بھی شامل ہوتی ہیں۔''

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

لیلۃ القدر میں خصوصی طور پر انبیائے کرام تشریف لاتے ہیں۔ اس رات ملاءِ اعلیٰ سے تعلق رکھنے والے مقرب فرشتے بھی آتے ہیں۔ نبی اکرمؐ، امہات

المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ دیوان میں رونق افروز ہوتے ہیں۔آپ کے ہم راہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ ، حضرت حسینؓ بھی تشریف لاتے ہیں۔حضرت فاطمہؓ خواتین کی قائد ہوتی ہیں۔اب اہلِ دیوان کی صلاحیتوں اور انہیں اللہ کی جانب سے ملنے والے انعامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

روحانی بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ دیوان سریانی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور وہ فرشتوں کی زبان سے واقف ہیں۔وہ پاکیزہ نفوس، زمان ومکان کی حد بندی سے آزاد ہوتے ہیں۔ہزاروں سال پہلے کے حالات و واقعات اور زبان کو سمجھ لیتے ہیں البتہ مراتب کے اعتبار سے اہلِ دیوان کی صلاحیتوں میں فرق ہے۔دیوان میں جمع ہونے والے تمام اولیائے کرام ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔مجلس برخاست ہوتی ہے تو اولیاء اللہ کی روحانیت اور نورانیت میں اضافہ کے ساتھ اجلاس کا اختتام ہوتا ہے۔

روحانی بزرگ فرماتے ہیں کہ اہلِ دیوان پیش آنے والے تمام امور اتفاق رائے سے طے کرتے ہیں جو منشائے الٰہی کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ان کا تصرف تمام جہانوں میں ہوتا ہے۔یہ تمام جہانوں کے رہائشی افراد کے قلوب اور خیالات میں تصرف کرتے ہیں۔وضاحت کے لئے کچھ واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ فرماتے ہیں:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ میں بے حد انکسار تھا۔ اپنے مریدین سے فرماتے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، تم لوگوں کا حُسنِ ظن ہے۔ذوقی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک طرف یہ انکسار اور دوسری طرف خزانہ لٹا رہے ہیں، معزول اور مقرر کر رہے ہیں۔

بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار می گردم

فرمایا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بہت بڑی ہستی ہیں۔

ذوقی شاہ صاحبؒ نے 1942ء میں فرمایا تھا کہ مسلم لیگ کو کامیابی ہو رہی ہے، یہ محمد علی جناح کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کام ہے، انہیں غیب سے مدد مل رہی ہے۔قابلیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور قابلیت کی وجہ سے جناح کو پسند کیا گیا ہے۔پھر کہا، مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے عالم معاملہ میں دیکھا کہ رسول اللہؐ فرما رہے ہیں:

''محمد علی جناح سے بڑا کام لینا ہے۔'' (تربیۃ العشاق)

درج بالا سطور میں دیوان الصالحین کا مختصر ذکر ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والے انعامات اور اعزازات کے متعلق بتایا گیا ہے۔مضمون یہاں ختم نہیں ہوجاتا۔یہ ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا تعارف ہے۔کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں تحریر ہے:

''حضور قلندر بابا اولیاؒ، صاحبِ دیوان الصالحین ہیں۔''

ابدالِ حق کی طبیعت میں عاجزی بہت ہے۔آپ کبھی

بھی کسی پہلو سے ایسی بات نہ فرماتے جس سے ذرہ برابر خودنمائی ہو۔سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔ابدالِ حق نے اہل دیوان کے علوم کی وضاحت ''لوح وقلم''میں فرمائی ہے۔یہ علم کہ روح کیا ہے، روحانی صلاحیتیں ، نسمہ اوراس کی اقسام ،ہزاروں لاکھوں سال پہلے اورآنے والے واقعات کا مشاہدہ، زمان ومکان کی نفی، مردوں کو زندہ کرنا، فرشتوں کی اقسام وصلاحیتیں،نوعِ جنات کی ساخت اورصلاحیتیں اور دیگر علوم کو کتاب میں اس طرح سمو دیا ہے کہ قاری غوروفکر کرے تو ہر سطر میں انوارات اورعلوم کے خزانوں کا ادراک ہوتا ہے۔

ایک بار عظیمی صاحب کے استفسار پر ابدالِ حق نے فرمایا کہ شعبۂ تکوین میں بھی فائل ورک ہوتا ہے اورکام کرنے کی رفتار ایک گھنٹے میں ایک کروڑ فائلیں ہیں۔ میں فائل پڑھ کراس پر دستخط کر دیتا ہوں۔

ایک روز مغرب کی نماز کے بعد میں (عظیمی صاحب) حضور قلندر بابا اولیاؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دماغ میں جھماکا ہوااوراندر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ قلندر باباؒ کے سینے میں گھڑی کے فنر کی طرح بے شمار دائرے ہیں اورآپ کے دماغ میں سے آنکھیں خیرہ کرنے والی روشنی کی لہریں نکل رہی ہیں اوردائروں کوحرکت دے رہی ہیں۔ ہر دائرہ سے روشنی کا تار بندھا ہوا ہے اور ہر تار کے ساتھ مخلوق متحرک ہے۔ ہر دائرہ میں عالم اورکئی دائروں میں عالمین بھی نظر آئے۔ میں نے دیکھا کہ اوپر سے فلیش لائٹ کی طرح لہریں آرہی ہیں ،وہ چار نورانی آبشاریں ہیں جو قلندر بابا اولیاؒ کے اندراس طرح جذب ہوگئیں جیسے گلاس کے اندر ڈراپر سے قطرے ڈالے جاتے ہیں۔ ابدالِ حق سے اس امر کی تشریح چاہی تو مسکراتے ہوئے فرمایا:

''خواجہ صاحب ایک کھرب نظام شمسی میں تیرہ کھرب سیارے نور کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔ صاحبِ تکوین بندہ جب تکوینی کام کرتا ہے تو اس کی یہی صورت ہوتی ہے جو آپ نے دیکھی ہے۔''

حضور قلندر بابا اولیاؒ کے منصب کے متعلق ارشاد ہے:

''تکوینِ کائنات، کائناتی نظام چلانے کے لئے اولیائے کرام کے مختلف شعبے قائم ہیں۔ان میں قطب،غوث،ابرار،اخیار،اوتاد،اہلِ نظام،اہلِ تفصیل ہوتے ہیں ۔ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ''ابدال'' ہے جن کی تعداد ستر ہے ان کا کام انتظامِ عالم کی نگرانی ہے۔اس میں چار بڑے ابدال ہیں جنہیں ممثلینِ کلیات کہا جاتا ہے ۔ ان ہی میں سے ایک صدرالصدور کے عہدہ پر فائز ہوتا ہے۔باقی تین ابدال بھی اس کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ یہ کسی ایک کے بس کی بات نہیں کہ وہ تمام اہلِ تکوین کے بارے میں جان لے کیوں کہ بہت سے مردانِ غیب نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔''

ڈاکٹر سعیدہ شفیق میمن

راسخ فی العلم

یاد رکھئے! انسان کی ساخت اور تخلیق کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ بدلی نہیں جاسکتی۔ انسان کی ساخت اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ یہ اللہ کا فرماں بردار ہوکر زندگی گزارے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیں۔

سلسلہ عظیمیہ کے امام اور اللہ ذوالجلال والاکرام کے دوست حضور قلندر بابا اولیاؒ کی ہستی تعارف کی محتاج نہیں۔ ابدالِ حق ان خاص ہستیوں میں سے ہیں جنہیں خالقِ کائنات نے اپنے عرفان سے نوازا ہے۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اپنے کلام میں ایسے خاص الخاص بندوں کے لئے فرماتے ہیں:

کاھوڙين خفي ۽ سين، سوجھي لذوسبحان
عاشق اھڙين اکرين، لنگھيالامکان
ھوءِ ۾ گڏجي ھوءِ ٿيا، بابوجي بريان
سيوئي سبحان، آيو نظرانن جي

ترجمہ:

ذکرِ خفی سے کھاہوڑی نے، پایا ہے سبحان
لاحد میں وہ خیمہ زن ہوں، ورد کریں ہر آن
ایک سے مل کر ایک ہوئے ہیں، بابو وہ بریان
ان کو نظر آیا ہے، ہر سو ہی سبحان

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تربیت میں والدہ ماجدہ کے اثرات نمایاں ہیں جب کہ سنِ شعور میں قدم رکھنے کے بعد نانا بزرگوار بابا تاج الدین اولیا ناگپوریؒ نے تربیت فرمائی۔ گو کہ والد صاحب علی گڑھ یونی ورسٹی میں مزید تعلیم دلوانا چاہتے تھے لیکن نانا تاج الدینؒ نے فرمایا کہ یہ مزید تعلیم کے بعد ہمارے قابل نہیں رہے گا۔

نانا تاج الدینؒ کے زیرِ سایہ نو سال کی تربیت کے بعد گھر واپس آئے تو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ گھر میں بڑے ہونے کے باعث بھائی بہنوں کو سنبھالنے اور تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن بنانے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے بھی نئے وطن میں ہجرت کا سوچا۔

اللہ تعالیٰ کا سندھ دھرتی پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اپنے منتخب بندوں کے ذریعے یہاں کے لوگوں پر اپنا فیض و کرم جاری رکھا ہوا ہے۔ پاکستان ہجرت کے بعد حضور قلندر بابا اولیاؒ کی طرزِ فکر کا ایک اور زاویہ

سامنے آتا ہے۔

''تقسیم ہند کے بعد حضور قلندر بابا اولیاءؒ اہل و عیال اور والد اور بہن بھائیوں کے ساتھ کراچی تشریف لے آئے۔ کراچی میں لی مارکیٹ کے محلّہ میں ایک نہایت خستہ و بوسیدہ مکان کرائے پر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کمشنر بحالیات نے حضور بابا صاحبؒ سے فرمایا کہ ایک درخواست لکھ کر دے دیجئے تاکہ آپ کے لئے کوئی اچھا سا مکان الاٹ کر دیا جائے۔ بابا صاحبؒ نے کمشنر بحالیات کی درخواست پر توجہ نہیں دی اور اسی مکان میں رہتے رہے۔''

(کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ)

یہ زاویۂ نظر اللہ پر توکل کرنا تھا یعنی اچھا مکان مل سکتا تھا لیکن خودداری نے گوارا نہیں کیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (اٰل عمرٰن:۱۵۹)

قارئین! اللہ کی محبت جسے حاصل ہو جائے وہ دین اور دنیا میں سرخ رو ہو جاتا ہے۔ استغنا کی یہ طرزِ فکر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے اندر اس قدر راسخ ہے کہ مادی حرص و ہوس ان کے قریب نہ آ سکی۔

عنوان مشیت کہیں ٹل سکتا ہے ؟
تو لوح کی تحریر بدل سکتا ہے ؟
استاد قلم نے لکھ دیا جو لکھا
کیا اس کے خلاف بھی کوئی چل سکتا ہے

اس رباعی میں حضور پاکﷺ کی حدیث کا ذکر ہے:

''جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔''

حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''ایک کتاب ہے جو لکھی جا چکی ہے یعنی ماضی ریکارڈ ہے اور جو لمحہ اس سارے زمانہ کا احاطہ کرتا ہے اس کو اہلِ روحانیت لمحۂ حقیقی یا زمانِ حقیقی کہتے ہیں۔ اسی زمانہ کا تذکرہ حضور پاکﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا یعنی لازمانیت (لمحۂ حقیقی) کی حدود میں ہر چیز مکمل طور پر ہو چکی ہے، جو کچھ ہو رہا ہے وہ ماضی کا ایک حصہ ہے۔''

استغنا کی طرزِ فکر کو اپنے اندر راسخ کرنے کے لئے قانون یہ ہے:

یاد رکھئے! انسان کی ساخت اور تخلیق کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس

فطرت پر پیدا کیا ہے وہ بدلی نہیں جاسکتی۔ انسان کی ساخت اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ یہ اللہ کا فرماں بردار ہوکر زندگی گزارے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔''

قلندر بابا اولیاؒ اللہ کے مقرب بندے اور اللہ کے محبوب حضرت محمدؐ کے نورِ نظر ہیں۔

''ایک مرتبہ لیٹر پیڈ پر نام چھپوانے کے لئے حضور بابا صاحبؒ سے اجازت طلب کی۔ حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ لکھ کر خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور بابا صاحبؒ نے لفظ ''سید'' پر دائرہ بنادیا اور فرمایا کہ نام کے ساتھ یہ نہ لکھا جائے۔ عرض کیا گیا کہ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ''سید'' لکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی جائے۔ فرمایا کہ ''سید'' لکھنا اس شخص کو زیب دیتا ہے جس کے اندر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ تو اوصاف موجود ہوں۔ اور یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے۔''

توجہ فرمایئے، یہ بات وہ ہستی کہہ رہی ہے جس کو حضور اکرمؐ کے دربار گہربار سے ''حسن اخریٰ'' کا لقب ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو عاجزی وانکساری بہت پسند ہے اور اللہ کے محبوب بندوں میں یہ وصف نمایاں ہوتا ہے۔ شاہ سائیںؒ فرماتے ہیں:

مونا جن محراب،جسوجامع تن جو
قبلي نما قلب کري ،تن کي کيائون طواف
تحقيق جي تکبير چئي،جسمان کيائون جواب
تن کھڙو ذوھ حساب،جن ھنئڙي ھادي حل ٿيو

ترجمہ:

جسم تو جامع مسجد ان کے، زانو ہیں محراب
تن کریں طواف وہ سوامی، من قبلہ کا باب
لب پر ہیں تکبیریں حق کی، سارا جسم کباب
کیسا روزِ حساب۔ رچا ہے روح میں پیاری

ایسے عمدہ اوصاف کے حامل لوگ جب اپنے اردگرد پھیلی بے چینی، انتشار، تفرقے، گروہی لڑائیاں دیکھتے ہیں تو ان کا دل بے چین ہوجاتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو پتا ہونا چاہیے کہ ان کی افضلیت کس بنیاد پر ہے اور وہ کس مقصد کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں۔

حاملِ علمِ لدنی، حضور قلندر بابا اولیاؒ مادی حرص و ہوس سے بھری اس دنیا کو رسول پاکؐ کے اخلاق حسنہ اور تعلیمات سکھانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہے:

”جس قوم یا جس فرد پر حضور اکرمؐ کے اعلیٰ اوصاف اور روحانی اقدار کی چھاپ نہ ہو، اس کا یہ کہنا کہ میں حضور اکرمؐ کا امتی ہوں — حضور اکرمؐ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی ہے۔“

ابدالِ حق نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حسنہ، روحانی (علوم حضوری) مشن کو زمانہ کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا ہے۔ قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے معنی اور مفہوم پر غور کرنے سے بندہ کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔ دماغ کے اندر کروڑوں خلیے (سیلز) کھل جاتے ہیں اور بندہ باطنی دنیا کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

جس بندہ کو حضور قلندر باباؒ جیسا روحانی مرشد مل جائے اور جستجو بھی ہو تو اللہ کے فضل و کرم سے اللہ کا عرفان نصیب ہوجاتا ہے اور وہ بے سکونی سے سکون کے عالم میں آجاتا ہے۔ ایسا عالم کہ خوشی اور غم میں یکساں کیفیات ہوجاتی ہیں اور ہر جانب سے اللہ اللہ کی تکرار سنائی دینے لگتی ہے۔

الحمدللہ مرشد سے تعلق جڑا ہوا ہے، صرف عمل کی وجہ سے ہم اپنے معاملات میں وسوسوں کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ارادہ و عمل میں یکسوئی عطا فرمائیں، آمین۔

وقار دواخانہ

عظیمی دواخانہ، عظیمی لیبارٹریز (کراچی) کی سربمہر ہربل پروڈکٹس (ادویات) اور خالص شہد، رنگ و روشنی سے تیار کردہ شیمپو اور ایمپیول نیز رنگ و روشنی سے پانی تیار کرنے کیلئے رنگین بوتلیں دستیاب ہیں۔

حکیم محمود

C-687 ملت ٹاؤن، فیصل آباد

برائے رابطہ:

0321-6696746

0300-2827867

بیان کیے جا چکے ہیں تاہم قارئین کی آسانی کے لئے ایک بار پھر یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

ابتدائی درسی کتب میں سائنسی تحقیق و تلاش کے طریقۂ کار کو چار درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

★ زیرِ غور مشاہدات میں کارفرما عوامل (Variables) کی نشان دہی کرنا۔

★ مشاہدہ کے ساتھ ساتھ تجربات کو ریکارڈ کرنا۔

★ مشاہدہ اور تجربہ کے درمیان تعلق کو متعلقہ ماحول کی روشنی میں اجاگر کرنا۔

★ مظاہرہ میں کارفرما قانون و اصول کو نظریہ کی شکل میں بیان کرنا۔

لاشعوری علمائے کرام نے روزمرہ واقعات میں تواتر سے رونما ہونے والے تجربات کی نشان دہی کی ہے کہ کرۂ ارض پر ایسی بہت سی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں جو ثقل سے آزاد ہیں ۔ وہم، خیال، سوچ، تفکر وغیرہ اس کی مثال ہیں۔

خلا کے بارے میں نتائج مرتب کرتے ہوئے روزمرہ زندگی کے وہ عوامل (Variables) نظر انداز ہو گئے ہیں جو زندگی کی بنیاد ہیں۔ نتیجہ میں ثقل کے بارے میں موجودہ سائنس کے تصورات ادھورے ہیں۔

اس کے برعکس قلندر شعور کی حامل ہستیاں انسان کی تعریف کے ضمن میں فرماتی ہیں کہ انسان (آدمی نہیں) ہر جگہ زمین کی کشش سے آزاد ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ”احسن تقویم“ بنایا ہے ۔ وہ علم الاسما سے واقف ہے۔ علم الاسما سے واقفیت یہ ہے کہ انسان شے میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ٹائم اور اسپیس اس کے لئے مسخر ہیں۔ پیدائش اور موت بھی لامحدودیت کی نشان دہی ہے۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ضرورت — تقاضا ہے۔ تقاضا خیال میں وارد ہوتا ہے۔ حواس تقاضے پورا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ سوچ کا کردار حواس کی فعالیت میں اہم ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ مظاہرات کے پس پردہ انتہائی قدروں میں ایٹم (مادہ) کارفرما ہیں۔

باطنی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نظامِ کائنات میں شے کا ذکر آئے گا تو اس کا دوسرا رخ بھی زیرِ بحث ہوگا۔ آگ کے اوصاف میں گرمی کا ذکر کیا جائے تو آگ کے دوسرے رخ ٹھنڈ کا تذکرہ بھی ہوگا۔

مادی محققین کے برعکس روحانی سائنس دان دونوں رخوں کی Complementary حیثیت کی وضاحت مساوات (ایکویشن) سے واضح کرتے ہیں جس کے مطابق یہ دونوں رخ ایک ہیں جیسے ایک ورق کے دو صفحات جس کا ایک رخ غالب ہے تو دوسرا مغلوب۔

آگ سے گرمی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ گرمی کا دوسرا دوسرا رخ ”ٹھنڈ“ مغلوب ہے۔ آسمانی کتابیں شاہد

ہیں کہ ایسے برگزیدہ بندے جنہیں آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے اپنے خالق کے حکم کی بجا آوری میں دوسرے رخ کا مظاہرہ کیا — آگ ٹھنڈی ہوکر سلامتی بن گئی۔

''ہم نے کہا : اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر۔'' (الانبیآء:۶۹)

ایک معروف محقق نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں یہ نظریہ بیان کیا تھا کہ جب دو مختلف دھاتی پلیٹوں پر مشتمل شے کو بیٹری کے مخالف ٹرمینلز یعنی (مثبت و منفی) سے جوڑا جائے تو پلیٹوں کا ایک حصہ انتہائی گرم اور دوسرا یخ ہوجاتا ہے۔اس مظاہرہ کو پیلٹیئر اثر (Peltier Effect) کہا جاتا ہے۔

قارئین مزید تفصیل کے لئے سینیئر سیکنڈری یا ہائر سیکنڈری کیمیا وطبیعات کی کتابوں سے رجوع کر سکتے ہیں۔اس نظریہ کی عملی مثالیں گاڑیوں میں استعمال ہونے والے چھوٹے سائز کے فرج، ریفریجریٹر اور ہیٹر ہیں۔

ہر شے دو رخوں پر قائم ہے۔ دونوں رجحان ہمیں جستجو و تلاش میں ملتے ہیں۔خیال کی لہر آتی ہے تو آدمی اپنے اندر موجود صلاحیتوں میں سے ایک رخ کا انتخاب کرتا ہے۔ مضمون میں ہم اس رجحان کا ذکر کر چکے ہیں یعنی مادیت کے اسیر ذہن کا رجحان نیند کے حواس کے برعکس جاگنے کے حواس میں زیادہ ہوتا ہے۔زندگی دو رخوں پر قائم ہے اور قانون کے مطابق دونوں رخ یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے ہیں۔ ایک آزاد رخ جب کہ دوسرا مٹی کا پابند ہے۔

آدمی نے پابند رخ کو نسل در نسل سیکھا اور اس سے کام لینا شروع کر دیا۔ یہ وہ رخ ہے جس میں تمام وسائل مادی شکل میں موجود ہیں — کہیں ٹھوس، مائع، اور گیس اور کہیں تینوں حالتوں کے آمیزہ کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

عراق میں پیدا ہونے والے گلوکار ابوالحسن علی بن نافع ''زریاب'' کے نام سے معروف ہوئے۔ان کی پہچان صرف فنِ موسیقی نہیں ہے بلکہ وہ شاعر، استاد اور علاقائی کھانوں میں اوران کو پیش کرنے کے طور طریقوں میں جدت کے لئے جانے پہچانے جاتے ہیں۔یہی نہیں،علم فلکیات ، جغرافیہ،موسمیات ، نباتات ، کاسمیٹکس اور فیشن میں بھی مہارت تھی ۔سب سے پہلے وہ عباسی دربار میں اداکار کے طور پر مشہور ہوئے ۔مقامی فیشن میں انقلاب لائے ۔نویں صدی میں تھری کورس کھانے یعنی پہلے سوپ، اس کے بعد مرکزی پکوان اور پھر شیرینی کو چمڑے سے بنے میز پوش پر پیش کرنے کا تصور دیا۔شیشہ یا کرسٹل گلاس متعارف کرایا جسے وہ بہ نسبت دھات کے موثر سمجھتے تھے۔

عاصم بیگ

قلم لکھ کر خشک ہو گیا (حدیث)

ماضی خود کو دہراتا ہے جسے ہم حال اور مستقبل کا نام دیتے ہیں۔ یہاں مستقبل اضافی اصطلاح ہے کیوں کہ ہم مستقبل اس ماضی کو کہہ رہے ہیں جو ابھی مظہر نہیں بنا۔ سوال ہے کہ وہ ماضی جو ابھی مظہر نہیں بنا — بذاتِ خود ماضی ہے، کیا اسے مستقبل کہہ سکتے ہیں —؟

عمران، یہ تم ہو؟ عدیل نے شاپنگ مال میں عمران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

عدیل کو دیکھ کر عمران خوشی اور حیرت سے اس کے گلے لگ گیا۔ ارے عدیل تم یہاں؟

عدیل اور عمران یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے دس سال بعد مل رہے تھے۔

دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھ گئے اور ماضی کو یاد کرتے رہے۔ دو گھنٹوں میں دس سال کے ماہ و سال کے احوال ایک دوسرے کو بتائے۔ آخر میں عمران نے کہا کہ وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے۔ پہلے دس سال اور اب یہ دو گھنٹے!

قارئین! عام طور سے زمان (وقت) کے جس وصف کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ ”وقت گزرتا ہے“۔ روحانی سائنس حقیقت سے روشناس کراتی ہے کہ وقت یا زمان ایسا یونٹ ہے جس کی تکمیل ہو چکی ہے۔ یعنی زمان ماضی ہے اور ماضی ریکارڈ کی صورت میں موجود ہے۔

سرورِ کائنات رسول اللہؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

”جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔“ (صحیح بخاری)

مفہوم پر غور کیا گیا تو دو باتیں سامنے آئیں۔

۱۔ ماضی (ریکارڈ)

۲۔ ماضی کا مظاہرہ جسے حال یا مستقبل کہا جاتا ہے۔

شعوری طرزوں میں حال اور مستقبل کو علیحدہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا واقعتاً ان کی علیحدہ کوئی حیثیت ہے یا یہ ماضی کا تسلسل ہیں —؟

مثال: کل کا دن جو گزر چکا ہے، ماضی ہے یعنی گزرے ہوئے کل میں سارے آثار و احوال ریکارڈ ہیں۔ آج کا دن ہمارے لیے حال ہے اور وہ دن جو کل آئے گا، مستقبل ہے۔

تکمیل شدہ دن میں یعنی ”کل“ سورج طلوع ہوا تھا۔ سورج کا طلوع ہونا ماضی ہے۔ سورج آنے والے

کل میں بھی طلوع ہوگا جو ماضی کے سوا کچھ نہیں۔

اسی طرح تکمیل شدہ دن (گزرے ہوئے دن) میں ہم بھوک پیاس کے تقاضوں سے گزرے اور ان کو پورا کرنے کے لیے غذا اور پانی استعمال کیا۔ بھوک پیاس کے تقاضوں سے گزرنا اور ان کی تسکین — ماضی (ریکارڈ) ہے۔ بھوک پیاس آج کے دن بھی ہے اور تسکین غذا اور پانی سے کی جا رہی ہے۔ آنے والے دن بھی ہم یکساں تقاضوں سے گزریں گے اور تسکین غذا اور پانی سے ہوگی۔

سوال ہے کہ گزر جانے والے، موجودہ اور آنے والے تقاضوں کی تسکین میں کیا فرق ہے—؟

جب بھوک پیاس کے تقاضے اور تسکین ریکارڈ ہے تو موجودہ یا آنے والے دن میں کھانے پینے اور رزق کے لئے پریشان ہونا کیا معنی رکھتا ہے—؟

تقاضے بجائے خود فکشن ہیں۔ اس لئے کہ تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے تکمیل نہیں ہوتی۔

اسی طرح گزرے ہوئے کل یعنی تکمیل شدہ دن میں ہم سردی گرمی کے احساس، خوشی، محبت، نفرت یا سکون کے جذبات اور کیفیات سے گزرے۔ دن گزرنے کے ساتھ تمام کیفیات اور احساسات کی موجودگی ''ماضی'' بن گئی۔ سردی گرمی کا احساس، خوشی اور سکون کی کیفیات سے آج کا دن گزرنا ماضی کا مظاہرہ ہے۔

ہر کیفیت، تقاضا، جذبہ، دن، رات اور ہر وہ اطلاع جو احساس بنتی ہے — ماضی ہے۔ ماضی خود کو دہراتا ہے جسے ہم حال اور مستقبل کا نام دیتے ہیں۔ یہاں مستقبل اضافی اصطلاح ہے کیوں کہ ہم مستقبل اس ماضی کو کہہ رہے ہیں جو ابھی مظہر نہیں بنا۔ سوال ہے کہ وہ ماضی جو ابھی مظہر نہیں بنا — بذاتِ خود ماضی ہے، اسے مستقبل کہنے کی کیا ضرورت ہے—؟

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے حالاں کہ فی الحقیقت زمانہ ریکارڈ ہے۔ حال اور مستقبل علیحدہ کوئی وجود نہیں رکھتے بلکہ ماضی کے اجزا ہیں۔''

ماضی اور حال زمان کے دو رخ ہیں۔ یعنی حال وہ لمحہ ہے جس لمحہ میں ماضی کا مظاہرہ ہوتا ہے، ماضی خود کو دہراتا ہے، تکرار کرتا ہے۔ سوال ہے کہ

۱۔ ماضی تو یہ بھی ہے کہ ہم جنت میں تھے اور جنت خوشی کے علاوہ کچھ نہیں، پھر ماضی کی تکرار یا مظاہرہ کیا ہونا چاہیے—؟

۲۔ جب ماضی کی تکرار خود ماضی ہے تو بے یقینی کیوں ہے—؟

جنت کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ آدم پر ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے نافرمانی غالب آ گئی۔ نافرمانی کی صورت میں وہ بے سکون ہوگیا۔

جیسے ہی کیفیت تبدیل ہوئی ، مقام بدل گیا۔ جنت سکون کا مقام ہے اور عالمِ ناسوت میں بے سکونی ہے۔ ماضی میں خوشی اور غم ،سکون اور بے سکونی دونوں رخ ریکارڈ ہیں۔ آدمی جس طرف متوجہ ہوتا ہے، ریکارڈ کا وہ حصہ سامنے آ جاتا ہے۔

کائنات کے ماضی ہونے کا علم بندہ کے اندر استغنا کی طرزوں کو مستحکم کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کی طرزِ فکر غیر جانب دار ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں خوف اور غم نہیں ہوتا۔ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کو محسوس کرتے ہیں ، انہیں مشاہدۂ حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو لوگ علم میں راسخ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان (یقین) ہے کہ ہر شے ہمارے رب کی طرف سے ہے۔'' (اٰل عمرٰن: ۷)

غیر جانب دار طرزِ فکر کے حصول کا ذریعہ استغنا ہے۔ استغنا اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم انفرادی سوچ سے نکلتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اپنی ذمہ داری پوری کر کے نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہیں۔

ہم اس دنیا میں آئے تو ساتھ کچھ نہیں لائے۔ لباس کا پتا تھا نہ غذا کا، ماں باپ کی پہچان تھی نہ دوست احباب اور دیگر رشتے ناتوں کا علم تھا۔ باشعور ہونے کے بعد آدمی کو یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ میرا کیا ہوگا۔

کوشش اور جدوجہد اللہ کا حکم ہے۔ ہمیں یہ کرنا ہے کہ جدوجہد اور کوشش کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا ادراک کر لیں کہ ہمارے اور کسی شے یا کام کے درمیان واسطہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ہم پیدا ہوئے تو اللہ نے ماں کے پیٹ میں رزق عطا کیا۔ ہمارے اندر اتنی سکت اور طاقت نہیں تھی کہ کروٹ بدل سکتے یا اپنا خیال رکھ سکتے، لیکن اللہ نے جسم کو حرکت دی ۔ دنیا میں آئے تو ماں باپ کے دل میں ہماری محبت ڈال دی، انہوں نے پرورش کی۔ اب جب ہم اس قابل ہیں کہ خود اپنا اور دوسروں کا خیال رکھ سکتے ہیں تو ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ طاقت اور استطاعت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے۔

غرض یہ کہ ہر شے من جانب اللہ ہے۔ تمام پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی یہی طرزِ فکر ہے۔ یہ مقدس ہستیاں ہر شے کو کیئر آف اللہ دیکھتی ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''درویش وہ ہے جسے آپ لنگوٹی بندھوا دیں تو خوش ہے۔ اسے آپ اطلس و کمخواب کے کپڑے پہنا دیں تو ٹھیک ہے۔ اسے مرغی کھلا دیں تو ٹھیک ہے اور اسے روٹی کھلا دیں تب بھی خوش ہے۔''

یہ طرزِ فکر استغنا ہے۔ جب کسی شخص میں استغنا کی طرزِ فکر مستحکم ہوتی ہے تو وہ خوف اور غم سے آزاد ہو جاتا ہے اور سچی خوشی حاصل ہوتی ہے جسے زوال نہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے:

''درویش کی شان یہ ہے کہ وہ کسی کے بدل جانے سے اپنے اندر تبدیلی نہیں آنے دیتا۔''

جس شخص کو استغنا حاصل ہوجائے وہ اللہ کی رضا میں راضی ہوجاتا ہے۔ کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں تحریر ہے:

''ایک رات کا ذکر ہے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے ارشاد فرمایا، مچھلی مل جائے گی؟ میں (عظیمی صاحب) نے عرض کیا کہ حضور! ساڑھے گیارہ بجے ہیں، کوشش کرتا ہوں، کسی ہوٹل میں ضرور مل جائے گی۔

فرمایا، ہوٹل کی پکی ہوئی مچھلی میں نہیں کھاتا۔

میں شش و پنج میں پڑ گیا کہ اس وقت مچھلی کہاں سے ملے گی۔ اس زمانہ میں ناظم آباد کی آبادی بہت کم تھی۔ بہر حال میں نے دل میں یہ سوچ لیا کہ مچھلی ضرور تلاش کرنی چاہئے۔

یہ سوچ کر میں نے ٹوکری اٹھائی تو قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا کہ اب رہنے دو، صبح دیکھا جائے گا۔

صبح ہوئی تو دروازہ پر دستک ہوئی، باہر جا کر دیکھا تو ایک صاحب کے ہاتھ میں مچھلی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میں ٹھٹھہ سے آرہا ہوں اور یہ مچھلی قلندر باباؒ کی نذر ہے۔ یہ کہتے ہی وہ صاحب رخصت ہوگئے۔''

مستغنی بندہ کے ذہن کی حرکت کے ساتھ کائناتی مشینری حرکت کرتی ہے لیکن استغنا کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آدمی کوشش اور جدوجہد نہ کرے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں:

''بعض لوگ استغنا کا مفہوم غلط بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ ہی سب کچھ دیتا ہے تو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ایسے لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جمود کا شکار ہوجاتے ہیں۔ گھر اور معاشرہ کے دیگر افراد سے کٹ کر تنہائی اور ویرانہ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ معاشرہ میں بھرپور اور فعال کردار ادا کرنے کے بعد بندہ کو جو تجربات حاصل ہوتے ہیں ان تجربات سے اللہ کی ذات پر یقین مستحکم ہوتا ہے۔''

جب اللہ کی ذات پر یقین مستحکم ہوجائے تو فرد کی سوچ سے ''میں'' نکل جاتی ہے وہ غیر جانب دار ہو جاتا ہے۔ لوگوں سے توقعات قائم نہیں کرتا، اللہ پر توکل کرتا ہے۔ نتیجہ میں اس کے اندر وہ نظر کام کرنا شروع کردیتی ہے جس میں ماضی (ریکارڈ) کا مشاہدہ اس کا معمول بن جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ پوری کائنات اور خود اس کا تعلق اللہ وحدہٗ لاشریک سے قائم

ہے — ہستی کے امر سے ماضی اپنا مظاہرہ کررہا ہے۔

"اور آپ نے کیا جانا کہ علیین کیا ہے، لکھی ہوئی کتاب ہے، اس کا مشاہدہ مقرب کرتے ہیں۔" (المطففین:۱۹۔۲۱)

مظاہر کی بنیاد کیا ہے —؟

مظاہرات کے وقوع میں آنے کا قانون کیا ہے —؟

اور اس سے کیسے واقف ہوا جائے —؟

جواب کتاب "نظریۂ رنگ و نور" کے انتساب میں ہے۔

"زمان و مکان (Time & Space) ایک لمحہ کی تقسیم در تقسیم ہے اور لمحہ کی تقسیم، اطلاع ہے جو ہر آن لہروں کے ذریعہ انسانی دماغ پر وارد ہوتی رہتی ہے۔ اگر ہم ان اطلاعات کا مخزن (Source of Information) معلوم کرنا چاہیں تو اس کا ذریعہ روحانی علوم ہیں اور روحانی علوم کے لئے دانش وروں کو بہرحال قرآن میں تفکر کرنا پڑے گا۔"

کُن ماضی کا وہ لمحہ ہے جس کا مظاہرہ لاشمار لمحات کی صورت میں ہو رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُن فیکون

ابدالِ حق فرماتے ہیں

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان غیر حقیقی کہہ کر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور واہمہ یا خواب و خیال کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالاں کہ کائنات میں کوئی شے فاضل اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ ہر خیال اور ہر واہمہ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کائناتی حقیقت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ وہم کیا ہے؟ خیال کہاں سے آتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔ اگر ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر جس کی سو فیصد کڑیاں اس مسئلہ کو سمجھنے پر منحصر ہیں انجانی رہ جائیں گی۔ جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور موجود ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرۂ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔

PRIME PACK INDUSTRIES

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

C-21, S.I.T.E
Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

حضرت عزیرعلیہ السلام

حضرت عزیرؑ نے فرمایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جواب سن کر بخت نصر غضب ناک ہوگیا اور حکم دیا کہ آپ کو آگ میں ڈال دیا جائے۔

بنی اسرائیل نے جب حضرت یرمیاہؑ کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو حضرت یرمیاہؑ نے بنی اسرائیل کی غلامی کی پیشین گوئی کی۔ بخت نصر نے ارضِ مقدس پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں بیت المقدس کو شدید نقصان پہنچا اور بنی اسرائیل کا مالی اور جانی بہت زیادہ نقصان ہوا۔ توراۃ کے تمام نسخے جلا کر راکھ کردیئے گئے۔ اسرائیلیوں کو قید کرکے بابل لے جایا گیا۔ ان قیدیوں میں کم سن حضرت عزیرؑ بھی شامل تھے۔ حضرت عزیرؑ کی ابتدائی تربیت بابل میں ہوئی۔ حالتِ اسیری میں حضرت دانیالؑ نے تربیت کی۔

بخت نصر نے اسرائیلی اسیروں میں سے صاحبِ علم و دانش افراد کو شاہی دربار سے منسلک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی نظرِ انتخاب چار افراد پر پڑی۔ حضرت دانیالؑ، حنیناہ، میسا ایل اور حضرت عزیرؑ۔ ان چاروں افراد کو کلدانی (بابلی) زبان سکھائی گئی۔ شاہی خلعت دی گئی اور شاہی دسترخوان پر کھانے کا انتظام ہوا لیکن شاہی غذا میں غیر شرعی اشیا بھی شامل تھیں لہٰذا ان لوگوں نے شاہی غذا کھانے سے انکار کردیا۔ بخت نصر کو جب اس کا علم ہوا تو ان چاروں افراد کو دربار میں طلب کرکے ان سے گفتگو کی۔ حضرت عزیرؑ نے اخلاق و آداب پر تقریر کی۔ بخت نصر حضرت عزیرؑ کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوا اور آپ کو بابل کا گورنر بنادیا۔

وادیِ دجلہ و فرات مہذب و متمدن اور مقتدر اقوام کا مرکز رہی ہے۔ ان اقوام میں بابلی قوم بھی شامل ہے۔ بابل سلطنت بابلیہ کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر تمام اشوری شہروں سے زیادہ پرشکوہ اور قدیم تھا۔ شہر کا حدود اربعہ 56 میل تھا۔ دیوار پناہ 320 فٹ اونچی اور 80 فٹ چوڑی تھی۔ اس طویل اور چوڑی دیوار میں 100 دروازے تھے۔ سب دروازوں پر تانبے کی پتریاں چڑھی ہوئی تھیں۔ دور سے دیکھنے پر گمان ہوتا تھا کہ پورا دروازہ تانبے کا بنا ہوا ہے۔ دیوار بابل تقریباً 2204 فٹ لمبی تھی۔ اس سے تقریباً 38 فٹ باہر 25 فٹ موٹی ایک اور دیوار تھی جس کے بعد 12 فٹ چوڑی ایک اور

دیوار تھی۔ اندرونی دیواروں کی درمیانی جگہ کو ملبا ڈال کر دیوار کے اوپر چوڑا راستہ بنا دیا گیا تھا جس پر حفاظتی دستے گھوڑوں پر سوار شہر کی حفاظت کے لئے گشت پر رہتے تھے۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ہر 165 فٹ کے فاصلے پر 27 فٹ اونچا حفاظتی مینار تھا۔ اس طرح کل 360 مینار تھے۔

شہر کے مرکز سے ایک عظیم الشان شاہ راہ شمال سے جنوب کی سمت جاتی تھی ۔ یہ شاہ راہ 73 فٹ چوڑی تھی ۔اس کے دونوں کناروں پر 23 موٹی موٹی اونچی دیواریں تھیں جو نہایت چمک دار، رنگین اور روغنی اینٹوں سے مزین تھیں۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ ہر 64 فٹ کے فاصلہ پر نیلے پس منظر میں پتھر کے سرخ اور زرد ٹائل لگے ہوئے تھے۔ اینٹوں سے بنی ہوئی سڑک پر اسفالٹ بچھایا گیا تھا اور اس پر چونے کے پتھر کی بڑی بڑی سلیں رکھ دی گئی تھیں۔ ہر سل پر یہ الفاظ کندہ تھے:

''بخت نصر بن بنوبلیہ بابل کے بادشاہ نے یہ شاہ راہ بابل بنائی ہے۔ ستاروں کی سلوں سے، پروردگار عظیم مردوک کے جلوس کے لئے، ہمارے آقا خداوند مردوک۔''

اس شاہ راہ پر سے بابل کے بڑے دیوتا مردوک کے پروہتوں کا جلوس گزرتا تھا۔ پروہت کے ساتھ قربانی کے جانور ہوتے تھے۔ ڈھول بجتے تھے، نفیریاں گیت گاتی تھیں اور ہزاروں پجاری پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ یہ شاہ راہ دفاعی نقطۂ نظر سے بھی اہمیت کی حامل تھی۔ شاہ راہ فصیلِ شہر سے اندرونی قلعہ کی طرف جاتی تھی۔ دشمن جو قلعہ پر طوفان بن کر آتے تھے انہیں ''راہِ مقدس'' سے گزر کر وہاں پہنچنا پڑتا تھا لیکن وہاں دشمن کو سڑک کی لمبائی کے ساتھ ساتھ گزرنے والی اونچی دیواروں کے باعث ایک پٹی کی صورت میں چلنا پڑتا۔ دیواروں کی چوٹیوں پر سے بابلی افواج تیروں کی بوچھاڑ کر کے بہ آسانی حملہ آوروں کو ہلاک کر دیتی تھیں۔

راہ مقدس ''باب عشتار'' تک جاتی تھی۔ عشتار اہلِ بابل کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ اس کے نام سے موسوم عظیم الشان دہرا دروازہ تھا۔ اس دروازہ کی آرائش سینکڑوں چمک دار اور رنگین سانڈوں اور دیگر جانوروں کی تصویروں سے کی گئی تھی۔

باب عشتار سے کچھ فاصلہ پر معلق باغات تھے جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہیں۔ یہ باغات معلق نہیں تھے۔ چوں کہ یہ محلات کی بہت اونچی چھتوں پر لگائے گئے تھے اس لئے نیچے سے دیکھنے والوں کو معلق نظر آتے تھے۔ بخت نصر نے یہ باغات اپنی نوجوان بیوی کے لئے بنوائے تھے۔ بخت نصر نے محل کی زمین میں منڈیروں کا ایک سلسلہ تعمیر کرایا تھا جو منزل بہ منزل 350 فٹ بلندی تک چلا جاتا تھا۔ پمپوں کے ذریعے حیرت انگیز نظامِ آب رسانی سے ان باغوں کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے پانی لایا جاتا تھا۔

شہر بابل میں ایک بہت بڑا، بہت اونچا مینار بھی تھا۔ یہ مینار شہر کا مقدس ترین مقام شمار ہوتا تھا۔ مینار ایک بہت بڑے احاطہ میں ایستادہ تھا۔ اس کے پاس چھوٹے

چھوٹے معبد تھے۔ مینار ہر سمت میں 288 فٹ اونچا تھا۔ اس مینار کی چوٹی پر 48 فٹ اونچی ایک عبادت گاہ تھی جس میں مردوک دیوتا کا ایک بت اور دیگر جواہرات سے بنے ہوئے آرائشی سامان تھے۔ عبادت گاہ کی دیواروں پر سونے کی پتریاں چڑھی تھیں اور نیلے رنگ کی روغنی اینٹوں سے مرصع کیا گیا تھا۔ جب مینار کی چوٹی پر دھوپ پڑتی تو پورا بابل منعکس ہونے والی روشنی سے جگ مگا اٹھتا تھا۔

حضرت عزیرؑ نے گورنر بنتے ہی بت پرستی کی باطل رسم ختم کرنے کا اعلان کیا۔ بخت نصر کو جب علم ہوا تو آپ کو دربار میں بلا کر باز پرس کی۔ آپ نے فرمایا کہ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جواب سن کر بخت نصر غضب ناک ہوگیا اور حکم دیا کہ آپ کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت حضرت عزیرؑ کے ساتھ تھی لہٰذا آپ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور آپ آگ میں سے زندہ سلامت نکل آئے۔ یہ دیکھ کر بخت نصر پکارا اٹھا:

''عزیرؑ کا خدا مبارک ہو، جس نے اپنا فرشتہ بھیج کر رہائی بخشی۔ واقعی اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

حضرت عزیرؑ کو ایک بار پھر بابل کا گورنر بنا دیا گیا۔

حضرت عزیرؑ نے ارضِ مقدس پہنچ کر بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ شاہِ فارس نے بیت المقدس کی تعمیر میں ہونے والے اخراجات پورے کئے۔ چوں کہ توراۃ کے تمام نسخے تلف کر دیئے گئے تھے، اسرائیلی 70 سال کی غلامی سے نجات پانے کے بعد توراۃ کو دوبارہ مدون کرنے کے لئے حضرت عزیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آسمان سے دو ''شہاب'' اترے اور حضرت عزیرؑ کے سینہ میں سما گئے اور آپ نے توراۃ لکھوادی۔ بنی اسرائیل کے دلوں میں حضرت عزیرؑ کی قدر و منزلت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی اس قدر و منزلت نے گم راہی کی شکل اختیار کر لی اور انہوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

''اور یہودی کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جوان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکا کھاتے ہیں۔'' (التوبہ: ۳۰)

ایک دفعہ کسی بستی میں سے حضرت عزیرؑ کا گزر ہوا۔ بستی ویران پڑی تھی۔ اس کی تباہ حالی اور بربادی دیکھ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اس تباہ حال بستی کو کس طرح دوبارہ آباد کریں گے؟ حضرت عزیرؑ نے گدھے کو ایک درخت سے باندھا۔ کھانا سرہانے رکھا اور درخت کے سائے میں لیٹ گئے۔ نیند آگئی اور سو گئے۔ اس ہی لمحہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ

عزیرؑ کی روح قبض کر لے۔ حضرت عزیرؑ سو سال تک سوتے رہے۔ حکمِ ربی سے آپ کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا: ”اے عزیرؑ! کتنی دیر تک سوتے رہے؟“ آپ نے جواب دیا، ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ”نہیں تم سو سال تک مردہ پڑے رہے ہو اور اپنے گدھے اور کھانے کو دیکھو۔“ کھانا ویسا ہی تازہ تھا جیسا رکھا تھا لیکن گدھا مر چکا تھا اور اس کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت عزیرؑ بہت حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آپ کے گدھے کو دوبارہ زندہ کیا۔ آپ کی نظر جب بستی پر پڑی تو اور زیادہ حیران ہوئے کہ بستی پوری طرح آباد اور پررونق شہر بن گئی تھی۔ آپ اللہ کی قدرت کاملہ دیکھ کر سجدے میں گر گئے اور کہا، یا اللہ! تو قادر مطلق ہے۔“

”اور کیا تم نے اس شخص کا حال نہ دیکھا، جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی۔ اس نے کہا یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اسے اللہ دوبارہ کس طرح زندگی بخشے گا؟ اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مردہ پڑا رہا۔ پھر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا، ”بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟“ اس نے کہا، ”ایک دن یا کچھ کم۔“ فرمایا، ”بلکہ تم سو برس اسی حالت میں رہے۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں ذرا تغیر نہیں آیا ہے اور پھر اپنے گدھے کو دیکھو۔ اور یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست کس طرح اس پر چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس کو ہماری قدرت کا مشاہدہ ہو گیا تو اس نے کہا، میں یقین کرتا ہوں بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (البقرہ: ۲۵۹)

تقریباً ہر گھر میں ڈیپ فریزر اور فرج موجود ہے۔ ہمیں اس بات کا مسلسل مشاہدہ ہے کہ چیزیں جب ٹھنڈی ہو کر منجمد ہو جاتی ہیں تو سڑتی گلتی نہیں ہیں۔ مخصوص گیسیں انہیں محفوظ رکھتی ہیں۔ جس طرح ہر تخلیق کا ہر فرد روشنی کے مفرد اور مرکب جال کے غلاف میں بند ہے۔ اسی طرح گیسوں پر بھی روشنی کے جال کا غلاف ہے اور ہر گیس کی ماہیت اور مقدار کا تعین اسی روشنی کے غلاف سے ہوتا ہے۔ فرد کی حیات و ممات معین مقداروں پر قائم ہے۔ اس سارے نظام پر ایک اللہ حاکم ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کی حاکمیت کے تابع ہے۔ جب اللہ نے چاہا کہ اپنے برگزیدہ بندے حضرت عزیرؑ پر حیات و ممات کے فلسفہ کی حقیقت کو ظاہر کرے تو اللہ کی قدرت نے ان گیسوں کو یکجا کر دیا جس کے ذریعے اشیا ٹھنڈی ہو کر خراب نہیں ہوتیں۔ (قسط: ۱)

یقیناً گورا کرے!

وائٹ فلیم

بیوٹی کریم اینڈ فیس واش

- صرف چند دنوں میں رنگت کو دلکش، خوبصورت اور گورا بنائے۔
- کیل مہاسوں، چھائیوں اور داغ دھبوں کا خاتمہ کر کے جلد کو نئی تروتازگی بخشتی ہے۔
- آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا خاتمہ کر کے جلد کو قدرتی تازگی فراہم کرتی ہے۔
- جلد کی جھریوں کو ختم کر کے جواں اور خوبصورت بناتی ہے۔

Stockist
Azeemi Medical Store
Densohal Karachi 021-32439104

A Product of
White Flame Cosmetics
Marketed by
NIMSA TRADERS
0344-3311313, 0335-3311313

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری
ہے اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔ فرق یہ ہے
کہ ظاہری علوم میں علم پہلے اور عمل بعد میں ہے ـــ
باطنی علوم میں عمل کے بعد علم ہے۔

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190 0321-6696746

اکتوبر 2016ء

سرورق کی تشریح

ماہنامہ قلندر شعور میں پڑھا ہے — کسی مصور کے فن پارے بہت پسند کیے جاتے تھے۔ مصور جھیل کے کنارے شفاف پانی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اس نے روشنی کی لہر دیکھی، آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ تحریک پیدا ہوئی کہ کچھ کرنا چاہیے لیکن کیا اور کیوں کرنا ہے، واضح نہیں تھا۔ وہ جنگل کی طرف چل دیا اور اندر پیدا ہونے والی تحریک پر غور کرنے لگا۔ اس دوران بچہ کی تصویر کا ہلکا سا عکس ذہن کی اسکرین پر بنا۔ کاغذ قلم اٹھایا اور آڑی ترچھی لکیروں سے ذہن میں عکس کو کاغذ پر نقل کرنا شروع کیا۔ خود سے پوچھا کہ خاکہ میں کس طرح کے رنگ ہوں؟ اور پھر جواب بھی خود ہی دیا کہ ایسے رنگ جن سے خوب صورتی ظاہر ہو۔ طرزِ فکر کی مناسبت سے ماحول میں موجود رنگ جمع کرنا شروع کیے اور کاغذ پر رنگوں کو منتقل کیا۔

بچہ کی آنکھوں میں آسمان کا نیلگوں رنگ سجایا، پیشانی پر جھیل کے پانی کا شفاف رنگ بھرا۔ صبح کی سرخی گالوں میں ڈالی، بادلوں کے نرم سائے بالوں میں بھرے، چہرہ پر شبنم کی لطافت منتقل کی، رنگ برنگ پھولوں کی مسکراہٹ سے ہونٹ سنوارے۔ تصویر مکمل ہوئی تو دیکھنے والے عش عش کر اٹھے اور تصویر کا نام محبت رکھا۔ خاص بات یہ تھی کہ یک سوئی سے دیکھنے پر تصویر گویا ہو جاتی۔ ناظرین مجسم تصویر دیکھتے، آواز سنتے، لمس محسوس کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد مصور دوبارہ جھیل کنارے گیا۔ اس مرتبہ کیفیت پہلے جیسی نہ تھی۔ وہ حالات سے سخت مایوس تھا۔ روشنیوں کا جھما کا ہوا۔ تحریک پیدا ہوئی کہ کچھ کرنا ہے البتہ غیر واضح تھا کہ کیا کیا جائے۔

غور کیا تو ذہن میں آدمی کا عکس ابھرا۔ کاغذ پر آدمی کا خاکہ بنایا۔ چوں کہ وہ بے حد اداس تھا اس لئے ماحول سے مایوسی کے رنگ جمع کرنے شروع کیے۔ ظلمتِ جہالت کے اندھیرے کو چہرہ پر منتقل کیا۔ خوف کی علامت کو زرد رنگ سے ظاہر کیا۔ بالوں کو کانٹوں کی طرز پر بنایا۔ آنکھوں میں خون کی سرخی بھری۔ تصویر مکمل ہوئی تو لوگ ڈر گئے اور نام نفرت رکھا۔ تصویر پر غور کرنے سے تصویر گویا ہو جاتی۔ دیکھنے والا اس حد تک متاثر ہوتا کہ کئی دنوں تک نیند نہ آتی۔

دونوں تصاویر نمائش میں رکھی گئیں، لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔ مصور کو احساس ہوا کہ تصویر محبت کی ہو یا نفرت کی — عکس کاغذ پر منتقل کرنے کے مراحل مشترک ہیں۔ جیسے کہ —

★ روشنی کی لہر کا محیط ہونا ★ باطن میں تحریک پیدا ہونا ★ نقوش کا غیر واضح ہونا ★ عکس ابھرنا

★ رنگوں کا انتخاب کرنا ★ تصویر حقیقت معلوم ہونا ★ مجسم ہو کر سامنے آ جانا

واضح ہوا کہ آدمی محبت کی تصویر ہے اور نفرت کی بھی۔ لہروں سے دونوں کی ابتدا ہوئی۔ لہر میں تصویر تھی۔ تصویر میں محبت اور نفرت کے دونوں رخ تھے۔ جس وقت جو احساس غالب ہوا، وہ تصویر مظہر بن گئی۔ (سید اسد علی)

لوحِ محفوظ سے نور لہروں کی صورت میں کائنات میں پھیلتا ہے۔ لہروں میں کائنات کے تمام تقاضے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میں نے آدمؑ کو علم الاسما سکھایا۔'' (البقرۃ)

علم الاسما — اللہ کی صفات ہیں۔ یہ مقداروں کا علم ہے جو کسی بھی شے کا تخلیقی فارمولا ہیں۔ روح پھونکنا وہ ماورائی لہر ہے جس سے حرکت کی ابتدا ہوتی ہے۔ لہروں سے شکلیں وجود میں آتی ہیں۔ مادی شکل وصورت میں ظاہر ہونے سے قبل لہریں چھ مقامات میں ذخیرہ ہیں۔ ماورائی لہر دماغ میں داخل ہوتی ہے تو دماغ پر ہلکا دباؤ پڑتا ہے جسے فرد محسوس نہیں کرتا۔ اسے واہمہ کہتے ہیں۔ واہمہ میں گہرائی سے لہروں میں خاکہ بنتا ہے۔ اس کو خیال کہتے ہیں۔ خیال میں یک سوئی بڑھنے سے خاکہ گہرا ہوتا ہے اور نقش ونگار سامنے آتے ہیں۔ تصور میں یک سوئی احساس ہے، احساس میں رنگ بھرتے ہیں اور رنگ مظہر بن جاتے ہیں۔ لہروں میں نقش ونگار کی یہ لکیریں جو ترتیب میں حرکت کرتی ہیں، ایک دوسرے سے فاصلہ پر نہیں ہوتیں لیکن فاصلہ برقرار رہتا ہے۔ اسی لئے ہم اکہری کو دہری لہر کہتے ہیں۔ فاصلہ نہ ہو تو لہر ایک کہلائے گی۔ روحانی انسان روح سے واقف ہے اس لئے وہ توانائی کو مادہ اور مادہ کو توانائی میں منتقل کرنے کا علم جانتا ہے۔ (نگہت حیات)

سرورق پر تفکر سے ذہن میں کمہار کا تصور آیا۔ کمہار کے ذہن میں شے کا جو خاکہ ہوتا ہے اس کی انگلیاں مخصوص

حرکت سے میکانکی طور پر اس شے کو مادیت میں مظہر بناتی ہیں۔کمہار کے ذہن میں شے کا عکس موجود ہوتا ہے۔کائنات ''کن'' کا مظہر ہے۔اللہ تعالیٰ کسی شے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے علم الاسما کی صورت میں یہ علم احسن تقویم مخلوق انسان کو عطا کیا ہے۔ بندہ ارادہ کرتا ہے تو شے خدوخال کے ساتھ مظہر بنتی ہے۔قرآن کریم میں ملکہ سبا کے تخت کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کتاب کا علم رکھنے والے بندہ نے ملکہ سبا کا تخت حضرت سلیمانؑ کے دربار میں پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردیا۔اسی طرح حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کبوتر زندہ کردیا جس کو بلی کھا گئی تھی—ان سب میں تصرف شامل ہے۔ (محمد سلیم۔کراچی)

لہریں اطلاعات ہیں۔ان میں بھوک، پیاس، جنس، دیکھنا، سننا وغیرہ ہر طرح کے تقاضے ہیں۔اکتوبر 2016ء کے سرورق پر غور کرنے سے سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اطلاع مظاہرہ بنتی ہے۔تشریح پیشِ خدمت ہے:

۱۔ لہر اطلاع کی صورت میں وارد ہوتی ہے تو ذہن پر ہلکا دباؤ پڑتا ہے۔یہ دباؤ بہت خفیف ہوتا ہے اور لطافت زیادہ ہونے کی وجہ سے شعور کی گرفت میں نہیں آتا۔

۲۔ واہمہ میں گہرائی خیال ہے۔خیال میں اطلاع کے نقوش واہمہ کی نسبت واضح ہیں۔

۳۔ نقوش پر توجہ مرکوز ہوجائے تو تصور بنتا ہے۔

۴۔ تصور میں رنگینی پیدا ہوتی ہے اور احساس غالب آجاتا ہے۔

۵۔ احساس کے بعد مادی شکل میں شے کا موجود ہونا مظاہرہ ہے۔

ہر عمل ان مراحل سے ہوکر گزرتا ہے، یہ اتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ ہم سمجھ نہیں پاتے۔بات کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مخلوق پیدا ہوئی تو اس میں دل، گردے، پھیپھڑے، جگر وغیرہ سب موجود تھے۔خود مخلوق نے انہیں کب دیکھا، اس میں صدیاں لگ گئیں۔یہی صورت ہماری ہے کہ ہم سب کچھ اندر ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ سے ناواقف ہیں۔ توفیقِ ایزدی سے جب انبیائے کرام کے ورثہ کو حاصل کیا جائے تو لاعلمی، علم میں منتقل ہوجاتی ہے۔ (اظہر محمود)

زندگی کی بنیاد اطلاع ہے۔اطلاع کا سورس تجلی ہے۔تجلی مختلف مراحل طے کرکے مظہر بنتی ہے۔بھوک کا خیال آیا تو یہ خیال چھ مراحل سے گزر کر مظہر بنا۔ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ ''آدمی خیالات کا مجموعہ ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب تک خیالات آتے ہیں، آدمی زندہ ہے۔خیالات آنا بند ہوجائیں تو آدمی ڈیڈ باڈی ہے۔'' (مبارک النسا)

مادی وجود اس وقت مظہر بنتا ہے جب لہر احساس کے درجہ میں داخل ہوتی ہے۔ مظہر بننے سے شے میں دوری پیدا ہوتی ہے۔ شے فنا ہوتی ہے تو صعود کر کے نقطۂ آغاز پر آجاتی ہے۔ کائنات لہروں سے مرکب ہے۔ یہ لہر نزول کرتی ہے تو اجسام تشکیل پاتے ہیں۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں پڑھا ہے کہ قلندر غوث علی شاہؒ فرماتے ہیں:

''حضرت جنید بغدادیؒ کو بادشاہ نے کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے طلب کیا۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ بھی ہم راہ گئے۔ بادشاہ نے حضرت جنیدؒ سے سخت کلامی کی۔ حضرت شبلیؒ جوان تھے، آپ کو ناگوار گزرا۔ دربار میں بچھے قالین پر موجود شیر کی تصویر کو تھپکا — وہ مجسم ہو کر اٹھنے لگا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس پر نظر کی تو پھر اصلی حالت میں آگیا۔ بادشاہ نے دوبارہ بے ادبی کی، حضرت شبلیؒ نے پھر قالین پر ہاتھ پھیرا۔ غرض تین بار یہی معاملہ پیش آیا۔ آخری دفعہ میں بادشاہ نے بھی شیر کو اٹھتے ہوئے دیکھ لیا اور خوف کے مارے بدحواس ہو گیا۔ فوراً تخت سے اتر کر آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ آپ اس لڑکے کی بات کا کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ بچہ ہے۔ الغرض بادشاہ نے اپنا قصور معاف کرایا اور عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ پس وجۂ تسمیہ حضرت شبلیؒ کی یہ ہے کہ شبل شیر کے بچہ کو کہتے ہیں۔ جب یہ معاملہ گزرا تو ان کا لقب شبلی یعنی شیر والا ہو گیا ورنہ اصل نام ان کا ابوبکر ہے۔''

شے کے بارے میں تفکر جب انتہا کو پہنچتا ہے تو قانون کے مطابق شے کا مظہر بننا یقینی ہے۔ مراقبہ میں کسی ایک نقطہ پر تفکر کرنے سے شعور — لاشعور سے واقف ہوتا ہے۔ (زبیر احمد)

اللہ سماوات اور ارض کا نور ہے۔ آسمان — لاشعوری حواس اور زمین — شعوری حواس ہیں۔ ہر مخلوق کھاتی ہے، پیتی ہے، سوتی، جاگتی ہے اور دیگر عوامل انجام دیتی ہے۔ تمام حرکات کا انحصار اطلاع پر ہے۔ تقاضے اطلاع کی شکل میں وارد ہوتے ہیں۔ شعور میں آنے والا ہر خیال، لاشعور سے ملنے والی اطلاع کا مرہونِ منت ہے۔ اطلاع روشنی کی ''لہر'' ہے جو مختلف مظاہر سے گزر کر رنگوں میں مظاہرہ کرتی ہے۔

''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ چیزیں اس نے زمین میں تمہارے لئے پھیلائی ہیں ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔'' (النحل: ۱۳)

اطلاع کی تحریکات پر غور کیا جائے تو جسمانی وجود کی حیثیت میڈیم ہے۔ لاشعور سے اطلاع کا سلسلہ موقوف ہوتا ہے تو مادی وجود کی رنگینیاں ختم ہو کر فنائیت کے راستہ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ (آمنہ بیگم)

خالدہ زبیر

یار دم بدم بار بار می آید

اندر کی دنیا میں وہ سب کچھ ہے جو باہر ہے۔فرق یہ ہے کہ جب ہم اندر کو نظر انداز کر کے باہر دیکھتے ہیں تو نگاہ محدود ہو جاتی ہے۔

موسمِ سرما کے دن تھے۔صبح کے وقت ہر طرف دھند تھی۔ ماحول میں سکوت تھا۔ پھول اور پتے مسکرا رہے تھے۔فضا لان میں ایزی چیئر پر بیٹھی فطرت کی رنگینیوں میں گم تھی۔ فضا نے سوچا کہ فطرت کی ہر ادا خوب صورت ہے۔درختوں پر غور کریں تو وہ جھوم جھوم کر کہانیاں سناتے ہیں، ہر پتّا گفتگو کرتا ہے۔ پھول اپنی نازک اندامی بیان کرتے ہیں۔آسمان اتنا وسیع ہے کہ وسعتوں میں گم ہونے کو جی چاہتا ہے۔دل کہتا ہے کہ ہر چیز کو ہاتھ لگا کر محسوس کرے۔فطرت کا ہر رنگ خمار طاری کر دیتا ہے۔

فضا نے شادی کے بعد طویل عرصہ تک ایک ہی خواب بار بار دیکھا کہ وہ کسی تعلیمی ادارہ کے بہت بڑے سبزہ زار لان میں موجود ہے اور اس کی پہلی پوزیشن آئی ہے۔سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک خواب اتنی بار کیوں نظر آیا۔

شوہر کی پوسٹنگ ایک بڑے تعلیمی ادارہ میں ہوئی تو وہ وہاں رہائشی کالونی میں شفٹ ہو گئے ۔ یہاں آتے ہی محسوس ہوا کہ قدرت اپنے قریب آنے کے مواقع فراہم کر رہی ہے۔

علمی درس گاہ وسیع و عریض رقبہ پر تھی جہاں ہر طرف بہار تھی۔مکینوں نے گھر کے لان میں سبزیاں کاشت کی تھیں۔گنجان آباد علاقہ سے پرسکون علاقہ میں پہنچے تو اجنبیت کا احساس نہیں ہوا کیوں کہ اس کے اندر بھی ایسا ہی ماحول تھا۔دن رات اتنے حسین تھے کہ کبھی مسکراتی، گنگناتی اور کھو جاتی۔کبھی زور زور سے ہنستی لیکن —— سب کچھ ہونے کے باوجود کوئی کمی تھی۔

کمی کیا تھی، معلوم نہیں۔

کافی عرصہ بعد وہی خواب دوبارہ دیکھا کہ وہ ایک بڑے تعلیمی ادارہ میں ہے اور پوزیشن آئی ہے۔عجیب سی بے چینی ہوئی۔کون سی تعلیم، کیسی پوزیشن؟

شوہر سے تذکرہ کیا تو وہ خوب ہنسے، پھر مشورہ دیا کہ ایم فل کر لو مگر پوزیشن کے چکر میں مت رہنا۔ ایم فل میں پوزیشن نہیں آتی ۔ یہ کہہ کر شوہر کی آنکھیں مسکرائیں۔

ایک پروفیسر صاحبہ کی نگرانی میں ریسرچ ورک کا

آغاز کیا۔ دو ماہ بعد دل اچاٹ ہوگیا۔ خواب دوبارہ نظر آیا۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی تو سمجھ میں آیا کہ یہ وہ راستہ نہیں جو میں نے سمجھا ہے۔

فضا کے پڑوس میں فزکس کے پروفیسر رہائش پذیر تھے۔ ان کا گھرانہ تعلیم یافتہ، مذہبی اور سلجھا ہوا تھا۔ گھر میں سب تحقیق و تلاش کا شوق رکھتے تھے۔ فضا کی دوستی ان کی بیٹی ندا سے ہوگئی۔ دونوں اکثر شام میں چہل قدمی کے لئے ساتھ جاتے۔

ایک دن فضا نے اپنے خواب کا تذکرہ ندا سے کیا۔ ندا نے کچھ سوچ کر کہا، محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا ذہن روحانی علوم کی تلاش میں ہے۔

روحانی علوم — ؟ کیا روح کے بھی علوم ہیں؟

فضا کے لہجہ میں حیرانی تھی۔

ندا نے جواب دیا، ہاں! اصل علم ہی روحانی ہے۔ دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیں وہ اس سفر میں ساتھی ہے۔ آپ کے شوہر اور میرے بابا کی پی ایچ ڈی بھی یہاں سے جانے کے بعد کام نہیں آئے گی۔

فضا کے لئے یہ سب نیا تھا کیوں کہ اس پہلو پر پہلے غور نہیں کیا کہ آدمی جب دنیا میں آتا ہے تو ساتھ کچھ لے کر نہیں آتا اور جب جاتا ہے تو ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔ دنیا کی تعلیم دنیا میں رہ جاتی ہے۔

ندا نے کہا، فضا دنیاوی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اگر مظاہر کے پس پردہ حقائق مخفی رہ جائیں تو اس علم کی حیثیت کیا ہوئی — ؟ جو سمجھا کیا وہ ویسا ہی ہے جیسے سمجھا یا گیا جب کہ ہم اس کی اصل سے واقف نہیں؟

تم ٹھیک کہہ رہی ہو ندا، میں نے اچھی تعلیم حاصل کی ہے، امتیازی نمبروں سے کام یاب ہوئی ہوں۔ گھر اچھا ہے، شوہر خیال رکھتے ہیں، بچے فرماں بردار ہیں لیکن ان سب کے باوجود میرے اندر تشنگی ہے۔

ندا مسکرائی اور فضا کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، فضا اندر کی دنیا میں وہ سب کچھ ہے جو باہر ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب ہم اندر کو نظر انداز کر کے باہر دیکھتے ہیں تو نگاہ محدود ہوجاتی ہے۔

مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فضا نے پوچھا۔

جب ہم مادی علوم حاصل کرتے ہیں تو اسکول میں داخلہ لیتے ہیں۔ اس طرح روحانی علوم کے حصول کے لئے سلاسل ہیں۔ نام تو سنے ہوں گے۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ عظیمیہ اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض یہ ہے کہ ہماری پوری فیملی سلسلہ عظیمیہ سے وابستہ ہے۔ اس کے پرنسپل یا امام حضور قلندر بابا اولیاؒ ہیں۔ استادِ محترم فرماتے ہیں:

"زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ روح کی غذا اللہ کی محبت ہے اور روح کو جب تک غذا میسر نہیں آجاتی، آدم زاد سب کچھ ہوتے ہوئے بے چین رہتا ہے۔"

دونوں چہل قدمی کے بعد گھر پہنچیں تو ندا نے فضا

کو کتاب پڑھنے کے لئے دی اور کہا کہ اس میں داخلہ کے قواعد وضوابط ہیں۔ اچھی طرح کتاب کو پڑھیں۔ نہ سمجھنے کے باوجود بہت کچھ سمجھ میں آجائے گا۔

فضا نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ کتاب کا نام تھا ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ''۔ مطالعہ کے دوران ذہن میں بہت سے سوالات جمع ہوگئے۔

ایک روز وہ ندا کے گھر گئی تو ندا کے بابا جان بہت محبت سے ملے اور بتایا کہ ندا تو کالج گئی ہے، آنے والی ہوگی، آپ انتظار کرلیں۔

وہ بیٹھ گئی، ہاتھ میں کتاب اور دل میں سوالات تھے۔ لہٰذا انتظار کیے بغیر بابا جان سے سوال کرلیا۔

''قلندر'' کون ہوتا ہے — کسے کہتے ہیں، کیا یہ کوئی ڈگری ہے اور یہ علم کہاں پڑھایا جاتا ہے؟

ندا کے بابا نے کہا — قلندر آزاد طرزِ فکر، صراطِ مستقیم کی طرزِ فکر کا نام ہے۔ ایسی غیر جانب دار طرزِ فکر ہے جس میں زندگی واحد اور یکتا ذات اللہ تعالیٰ کے تابع ہوتی ہے۔ بندہ جو کچھ سوچتا ہے اس کے ذہن میں یہ علم ہوتا ہے کہ کائنات میں دروبست ہر شے واحد ذات اللہ کے تابع ہے۔ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے، زندگی اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہے۔ قلندر کے اندر سے دوئی ختم ہوجاتی ہے اور ''من تو شدم تو من شدی'' کا معاملہ بن جاتا ہے۔ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ سے اتنی قربت ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایت سے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور رحمانی طرزِ فکر کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

یہی وہ پاکیزہ اور قدسی نفس بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں میرے ذریعے بولتے ہیں میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔''

(صحیح بخاری)

فضا دل چسپی سے ساری گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے کہا، یعنی قلندر اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے تمام امور انجام دیتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے دیگر معاملات میں حصہ لیتا ہے مگر وہ ہر شے اللہ کی معرفت دیکھتا ہے اور اللہ کی محبت کو محسوس کرتا ہے۔

بابا جان نے کہا، ماشاءاللہ، بہت خوب!

قلندر جز دو حرفِ لاالٰہ کچھ نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

قلندر اللہ کے سوا ہر شے کی نفی کردیتا ہے۔ چوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوجاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی سنت کو اپنا لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت مخلوق کی خدمت

میں مصروف ہیں۔ لہٰذا یہ نیک بندے مخلوقِ خدا کی خدمت کو شعار بنالیتے ہیں۔لوگوں کے دکھ درد سننا، ان کا تدارک کرنا، پریشان حالوں کی پریشانی دور کرنا، بیماروں کی شفایابی کے لئے دعا کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قلندر بندہ کو حقیقت آشنا کردیتا ہے۔

قلندر کا مشن یہ ہے کہ بندہ رب سے واقف ہوجائے جب کہ بندہ ازل میں اللہ کو دیکھ کر اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرچکا ہے۔

روحانی علم کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟ فضا نے سوال کیا۔

بابا جان بولے، روحانی اسکول یعنی سلسلہ میں داخلہ کے بعد مراقبہ کیا جاتا ہے۔ مراقبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غارِ حرا کی سنت ہے۔یعنی اپنے اندر میں کھوج لگانا، رب کو تلاش کرنا جو رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ہم ساری زندگی باہر دیکھتے ہیں۔ رب کو بھی باہر تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں۔“ (الذاریٰت:۲۱)

حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

”جو چیز اندر ہے لاکھوں سال بھی اس کو باہر ڈھونڈا جائے تو نہیں ملے گی۔“

روحانیت کی کتنی کلاسیں ہیں اور نصاب کیا ہے—؟

بابا جان مسکرائے اور جواب دیا، روحانیت کی 23 کلاسیں ہیں، بنیادی نصاب مراقبہ ہے جو ساری زندگی جاری رہتا ہے۔صلوٰۃ روحانیت کا سرچشمہ ہے۔ صلوٰۃ میں مرتبۂ احسان یعنی اللہ تعالیٰ کی قربت کا گہرا احساس، قرآن کریم میں غوروفکر، سیدنا حضور پاکؐ کی سیرت پر عمل، اذکار، تسبیحات اور نوافل وغیرہ روحانیت کے لازمی جزو ہیں۔ جس کے اندر جتنا ذوق شوق اور کوشش ہوتی ہے اسی مناسبت سے کامیابی ہوتی ہے۔

گفتگو جاری تھی کہ گھنٹی بجی۔ ندا کالج سے آگئی تھی۔ وہ فضا کو دیکھ کر خوش ہوئی۔

بھئی آپ کی دوست نے آپ کی دی ہوئی کتاب کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔

فضا بولی ، ندا میں نے کتاب پڑھ لی ہے ۔کچھ سوالات ذہن میں تھے جن کے جوابات بابا جان نے دے دیے، چند باتیں اور پوچھنا چاہتی ہوں۔

جی ضرور۔ بابا جان بولے۔

روحانیت کے اصول کیا ہیں؟ فضا نے پوچھا۔

کم کھانا ، کم سونا ، کم بولنا۔ زیادہ کھانے سے جسم فربہ (موٹا) ہوتا ہے، جسم پر چربی آجاتی ہے اور خون میں روشنیاں جذب کرنے کی صلاحیت کم ہوجاتی ہے۔ شعور بھاری ہوجاتا ہے۔ زیادہ سونے سے سستی اور کاہلی کا غلبہ ہوتا ہے۔

زیادہ بولنے سے توانائی ضائع ہوتی ہے۔غیرضروری گفتگو سے بندہ جلدی تھک جاتا ہے، دنیا داری کی

طرف رجحان زیادہ ہوتا ہے اور مبالغہ اور غیبت بڑھ جاتی ہے۔ روزہ کم کھانے ،کم بولنے اور کم سونے کی بہت اچھی مثال ہے۔روزہ میں ہلکا پن محسوس ہوتا ہے۔ صحت اور کیفیات بھی اچھی ہوتی ہیں اور روحانیت کی طرف میلان زیادہ ہوجاتا ہے۔علمِ لدنی کی تعلیم کے دوران قلندر بابا اولیاؒ ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ نہیں سوئے۔نیند پران کو پوری طرح غلبہ تھا۔غذا کے معاملہ میں محتاط تھے۔

فضا بولی: بابا جان کتاب میں لکھا ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت اورنسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔ ہمت اور نسبت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی بہت بڑی سعادت ہے۔وہ اتنا بڑا دربار ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کے بغیر وہاں تک رسائی ممکن نہیں۔نسبت وہ تعلق ہے جس کی بنا پر بندہ کو حاضری کا شرف عطا ہوتا ہے۔ دربار میں نسبت پہچان ہے۔

آخری سوال پوچھا کہ فنافی الشیخ کا کیا مفہوم ہے؟

فنافی الشیخ کا مطلب ہے کہ طالب علم یا مرید کو استاد کا ذہن منتقل ہوجائے جس طرح استاد سوچ رہا ہے طالب علم بھی اس طرح سوچے۔ جو طرزِ فکر استاد کی ہے وہی شاگرد کی بن جائے۔مرشد کو غصہ نہیں آتا تو مرید کو بھی غصہ نہ آئے۔شیخ کم سوتا ہے مرید بھی کم سوئے۔شیخ اللہ کی ذات پر یقین رکھتا ہے،مرید بھی یقین رکھے۔

جیسے آپ اسکول میں استاد کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ABCD پڑھتے ہیں۔طالب علم جانتا ہے کہ استاد ABCD سے واقف ہیں۔تعمیل نہیں ہوگی تو علم نہیں سیکھ سکتا۔سالک کا ذہن مرشد کی طرزِ فکر سے معمور ہوجاتا ہے یا پیرومرشد کی روحانی طرزیں مرید کے اندر منتقل ہوتی ہیں تو سالک اپنے رنگ سے نکل کر پیرومرشد کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔سالک کی ذات فنا ہوجاتی ہے اور وہ گم ہوجاتا ہے۔

فنا فی الشیخ کے بعد فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے مدارج ہیں۔اللہ کے ساتھ عشق کی جڑیں مضبوط ہوجاتی ہیں اور اسے قلب میں اللہ نظر آتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے فرمایا ہے:

یار دم بدم بار بار می آید

''میں ہر سانس کے ساتھ اللہ کا جلوہ دیکھتا ہوں''

فضا بہت خوش تھی۔اس کے اندر میں دیپ جل اٹھے تھے۔یقین تھا کہ ان دیپوں کی روشنی میں وہ منزل کو پالے گی ، زندگی بامراد ہوگی اور تشنگی دور ہوجائے گی۔ ذہن میں میر دردؔ کا شعر آیا۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ـــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلوسبز

کراچی: 021-36039157
حیدرآباد: 0222781798
میر پور خاص: 03133508543
ڈگری: 03453700144
ملتان: 03006338192

فیصل آباد: 041-8540132
لاہور: 03224112737
راولپنڈی: 051-5169242
اٹک: 03135168800
ہری پور: 03135914147

پشاور: 03219110156
مانسہرہ: 03005621447
مظفر آباد: 05822446661
میر پور: 03455701558

لالچ بری بلا ہے

تم کتنے احمق تھے کہ ہلکی ٹوکری کا انتخاب کیا۔ جو ٹوکری میں لائی ہوں اس سے تمہاری ٹوکری کے مقابلہ میں دوگنی دولت ملے گی۔ یہ کہتے ہوئے ڈھکنا کھول دیا۔

ذکر ہے ایک بوڑھے آدمی کا جو بلند ترین پہاڑوں میں رہتا تھا۔ بیوی انتہائی بد مزاج تھی اس لئے زندگی خوش و خرم نہ تھی۔ بات بات پر جھگڑنا اور حسد کرنا عادت تھی۔ ایک پالتو چڑے کے علاوہ شوہر کا کوئی دوست نہ تھا۔ معصوم پرندہ بھی بیگم کے رویہ سے خوش نہیں تھا۔

ایک روز بوڑھا آدمی کام کے لئے صبح سویرے کھیتوں میں گیا۔ بیگم نے نشاستہ تیار کیا اور سرخ چوبی پیالے میں ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیا۔ جب وہ نہا کر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ پالتو چڑا پیالہ کے اوپری کنارہ پر بیٹھا مزے سے نشاستہ پی رہا ہے۔ بیگم کو شدید غصہ آیا اور یہ کہتے ہوئے زبان کی نوک قینچی سے کاٹ دی—

”تمہارے لئے چوری کی سزا ہے، مزید خیریت اسی میں ہے کہ دفع ہو جاؤ اور کبھی ادھر نہ آنا۔“

خون میں لت پت چڑے کو ہوا میں اچھال دیا، چڑے نے تکلیف میں ایک دو بار فضا میں چکر لگائے مگر مایوس ہو کر مغموم دل سے ایک جانب اڑتا چلا گیا۔

شوہر کو بیوی کی حرکت کا علم ہوا تو صبر کا پیمانہ لب ریز ہو گیا۔ الفاظ کے تیر دونوں طرف سے چل رہے تھے۔ غم و غصہ میں رات گزر گئی لیکن کوئی فائدہ نہ تھا کہ چڑا جا چکا تھا اور جہاں کہیں بھی تھا— آدھی زبان سے محروم ہو گیا تھا۔

شوہر کے پاس سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ اذیت ناک تنہائی سے سمجھوتا کر لے۔ جو آواز ہر دم سننے کو ملتی وہ بیوی کی سخت، ناگوار، گالی گلوچ سے بھرپور بدبودار آواز تھی۔

کئی مہینے بیت گئے لیکن چڑے کی یاد کم نہیں ہوئی۔ ایک روز شوہر کھیتوں کی طرف جا رہا تھا کہ اسے چہچہاتی آواز سنائی دی۔ صبح بخیر سرکار!

ادھر ادھر دیکھا لیکن بندہ نہ بندہ کی ذات— نظر درخت پر پڑی تو حیران رہ گیا کہ اس کا گم شدہ چڑا ٹہنی پہ بیٹھا مسکرا رہا ہے۔ مہینوں بعد دل شاد ہوا اور چہرہ پر مسکراہٹ آ گئی۔ خوشی کے ساتھ حیرت اس بات کی تھی کہ چڑا زبان کٹنے کے بعد اب آدمی کی بولی بول رہا تھا۔

دونوں نے جاپانی ثقافت کی طرز میں بار بار جھک

جھک کر ایک دوسرے کو آداب کیا اور خوش ہو کر ایک دوسرے کی خیریت پوچھی۔ چڑے نے بوڑھے دوست سے درخواست کی کہ وہ اس کے گھر چل کر بیوی اور بچوں سے بھی ملے۔

گھر زیادہ دور نہ تھا۔ بانسوں پر بنا چھوٹا سا گھر خوب صورت لگتا تھا۔ مزید دل کش بنانے کے لئے ننھا منا باغ تھا جس میں ایک طرف آب شار بہہ رہی تھی۔ باغ میں چلنے کے راستوں میں خوب صورت پتھر نگینوں کی طرح جڑے ہوئے تھے۔ ادھر چڑے کی بیگم چڑی نے مہمان کا پرتپاک استقبال کیا۔ بچے گود میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دسترخوان سجا جس پر قسم قسم کے کھانے تھے، میٹھی جیلی کے قتلے، راک کینڈی، کسٹرڈ، نگٹس، نوڈلز اور کارن اسٹارچ کے پیالے وغیرہ وغیرہ۔ چڑی بیگم جاپانی چوپ اسٹکس لانا نہیں بھولی تھیں۔ آخر میں چڑے کی بڑی لڑکی نے جاپانی معاشرہ کے مخصوص روایتی انداز میں چائے نفاست وسلیقہ سے پیش کی۔

لگتا ہے کہ میں نے آپ کو بدمزہ کھانا پیش کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم جلدی میں بہتر کھانا تیار نہ کر سکے۔ چڑی بیگم نے مہمان نوازی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود معذرت کی۔

بوڑھا آدمی حیرت اور احساسِ تشکر میں ڈوب چکا تھا۔ طویل عرصہ بعد دوست چڑے سے ملنے کی خوشی اور پھر اس قدر محبت کہ زندگی کے سارے تلخ رویے بھول گیا۔ اس نے کہا، نہیں بہن آپ نے توقع سے بڑھ کر اہتمام کیا اور اتنا لذیذ کھانا تو میری بیگم بھی نہیں بناتیں۔ بوڑھا دوست چڑیا فیملی کے اصرار پر ان کے گھر رات گزارنے پر راضی ہو گیا۔

یہاں کی دل چسپ مصروفیات میں ایسا مزہ آیا کہ قیام ایک کے بعد ایک دن اوپر ہوتا رہا۔ زندگی میں اتنی محبت، ہم دردی اور عزت نہیں ملی تھی جتنی اس چھوٹے پرندہ کے خاندان نے دی۔

زندگی پرسکون اور بےفکر تھی۔ دن بھر بوڑھا اردگرد خوب صورتی کا نظارہ کرتا یا چڑے کے ساتھ گیم (Sushi Draft) کھیلنے میں گزارتا۔ شام کے وقت چڑی بیگم کھانا اور مشروب گارڈن میں لے آتیں۔ مہمان اسنیکس سے لطف اندوز ہوتا۔ اس دوران Samisen نامی ساز پر خوب صورت دھنیں چھیڑ دی جاتیں اور مسٹر چڑے بیگم اور بچوں کے ساتھ رقص کرتے، ان کے ساتھ مل کر گاتے۔ پرلطف ماحول میں بوڑھا آدمی پریشانیوں اور تکلیفوں کو بھول گیا۔

دو ہفتے بعد یاد آیا، بہت دن ہو گئے گھر نہیں گیا۔ میزبان سے اجازت طلب کی۔ مسٹر چڑے کو جدائی کا افسوس تھا لیکن مہمان کی بات ماننا پڑی اس شرط پر کہ وہ ان کی طرف سے پیش کیا گیا ایک تحفہ ضرور قبول کرے۔

یہ کہہ کر گھر سے مضبوط ریشوں سے بنی ہوئی دو سفری ٹوکریاں منگوالیں۔ ان میں ایک بھاری اور دوسری ہلکی تھی۔ بوڑھے مہمان سے کہا کہ کوئی ایک ٹوکری اپنی پسند

کے مطابق لے لیں ۔ میری طرف سے حقیر تحفہ یاد دلائے گا کہ آپ نے ہمارے گھر آ کر ہمیں عزت بخشی تھی ۔مسٹر چڑے کے لہجہ میں خلوص ومحبت تھی ۔

بوڑھا مہمان ہوس اور لالچ سے پاک ،شریف اور قناعت پسند تھا ۔ہلکی ٹوکری کا انتخاب کیا اور پھر جھک کر سلام کرتے ہوئے ، بچوں کو پیار کیا اور پر خلوص میزبانی کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ شوہر کی گم شدگی کے بعد بیوی اچانک سامنے دیکھے گی تو خوشی کے مارے لپٹ جائے گی لیکن اس کے برعکس ہوا۔

جیسے ہی شوہر گھر میں داخل ہوا، بیوی نے لعنت ملامت کرتے ہوئے طیش کے عالم میں شوہر سے کہا کہ تم مجھے لا وارثوں کی طرح چھوڑ گئے ،تمہیں شرم آنی چاہیے ۔بڑے میاں نے بیوی کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور حیرت انگیز اور دل چسپ مہمانی کی داستان سنائی ۔اس کے بعد دونوں نے مل کر ٹوکری کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔

منظر نے آنکھیں خیرہ اور کمرے کو جگ مگ جگ مگ کر دیا۔ٹوکری سونے چاندی جواہرات پر مشتمل قیمتی چیزوں سے بھری ہوئی تھی ۔ اس میں ایک ہیٹ تھا جسے کوئی پہن لے تو سب کی نظروں سے غائب ہو جاتا۔ کتابیں بھی تھیں جن میں وہ منتر جنتر درج تھے کہ آپ کسی چیز کی خواہش کریں تو فوراً حاضر ہو جاتی ۔ رقم سے بھرا پرس تھا کہ چاہے جتنا خرچ کر لیں—— دوبارہ رقم سے بھر جاتا۔

خوشی کے بجائے بیگم کے تیور خطرناک ہو گئے ۔ چہرے پر لالچ وہوس کی چادر چھا گئی ۔اس نے کہا، میں بھی چڑے سے اپنا تحفہ وصول کرنے جا رہی ہوں ۔

شوہر نے سمجھانے کی کوشش کی کہ پہلے ہی اتنا مل چکا ہے کہ مزید کی ضرورت نہیں اور یہ کس قدر غیر اخلاقی اور لالچ کی بات ہے کہ ہم مزید مانگنے جائیں لیکن وہ نہ مانی اور مسٹر چڑے کے گھر پہنچ گئی ۔

شوہر نے تنگ آ کر چڑے کے گھر کا راستہ سمجھا دیا تھا اس لئے پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی ۔

چڑا گھر سے نمودار ہوا تو فطرت کے برخلاف عورت نے شائستہ لہجہ میں بات کرنے کی کوشش کی ۔حالاں کہ نرم لہجہ میں بات کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ ساری زندگی چیخ چیخ کر بات کی تھی ۔مسٹر چڑے کو اس کے دوست آدمی کی بیگم دیکھ کر کراہت محسوس ہوئی لیکن مہمان نوازی کے پیشِ نظر چائے کی دعوت دی ۔ چڑی بیگم اور بچے سامنے نہیں آئے ۔وہ سمجھ گئے تھے کہ محترمہ کے آنے کا کیا مقصد ہے ۔مہمان نے چائے پانی میں خاصا وقت لیا۔ چڑے کی جانب سے جب کسی تحفے کا ذکر نہیں ہوا، بیوی نے خود ہی فرمائش کی ۔

مسٹر چڑے کی چونچ یہ سن کر جھک گئی لیکن کہا کچھ نہیں ۔گھر میں داخل ہوئے اور دو ٹوکریاں لئے واپس آ گئے ۔ لالچ کا یہ عالم تھا کہ بیگم نے بھاری ٹوکری

جھپٹ لی اور شکریہ اور خدا حافظ کے الفاظ کہنے میں بھی کنجوسی سے کام لیتے ہوئے تیزی سے مسٹر چڑے کے گھر سے نکل گئی۔

فاتحانہ انداز میں بھاری ٹوکری لیے ہانپتے کانپتے گھر میں داخل ہوئی اور شوہر سے کہا،

تم کتنے احمق تھے کہ ہلکی ٹوکری کا انتخاب کیا۔ جو ٹوکری میں لائی ہوں اس سے تمہاری ٹوکری کے مقابلہ میں دوگنی دولت ملی ہے۔ یہ کہتے ہوئے ڈھکنا کھول دیا۔

میرے اللہ یہ کیا— ٹوکری میں سونا، چاندی اور جواہرات کا نام ونشان نہیں تھا۔ کسی رینگنے والے جانور کی دہشت ناک سرسراہٹ اور پھنکار کی آواز آئی۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی سپیا مچھلی اور عفریت نما بھُتنگے غول کے غول نکل رہے تھے۔ بھن بھناہٹ سے دل لرز رہا تھا۔ آخر میں خوف ناک کالا سانپ نکلا جس کا سر اژدہے جیسا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے عورت کو جکڑ لیا۔ اور اس وقت چھوڑا جب لالچی عورت کا دم اخیر ہو گیا۔

قارئین! خوفناک بلاؤں میں سے کسی نے بوڑھے آدمی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ بڑے میاں نے خوب صورت گھر خریدا اور ایک بچے کو لے پالک لے لیا تاکہ بقیہ عمر تنہائی میں نہ گزرے۔ لڑکے کی تربیت کے دوران ہمیشہ سمجھاتا کہ لالچ بری اور خطرناک بلا ہے — نرم روی اور شائستگی ایسی دولت ہے جو مزاج میں ٹھہراؤ لاتی ہے اور زندگی کو جنت بناتی ہے۔

باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں، تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں، اغیار ہیں تو ہم ہیں

دریائے معرفت کے، دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں، اور پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے، و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں، مختار ہیں تو ہم ہیں

تیرا ہی حسن جگ میں، ہر چند موجزن ہے
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

الفاظ خلق ہم بن، سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح، ربط گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی، یک لخت اٹھ گئی ہے
اے درد! اپنے دل کے گر، بار ہیں تو ہم ہیں

باغ جہاں کے گل ہیں، یا خار ہیں، تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں، اغیار ہیں تو ہم ہیں

(خواجہ میر دردؔ)

فرزانہ پرویز

مصور کا تعارف ـــــ تصویر

ہر شے زندگی اور اپنے وصف کے مظاہرہ کے لئے دوسرے پر انحصار کر رہی ہے۔ مثلاً فلم کے مظاہرہ کے لئے پروجیکٹر، روشنی، فاصلہ، اسکرین (پروجیکٹر کو اسکرین پر مظاہرہ کے لئے فاصلہ درکار ہے) کی ضرورت ہے۔ فلم بہت اچھی ہے لیکن کاغذ اور قلم نہ ہو تو تحریر کہاں لکھی جائے گی؟ پروجیکٹر نہ ہو تو فلم کیسے نشر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات بنائی اور اپنے رسولوں کے ذریعے بنی آدم کو مشیت اور حکمت سے آگاہ فرمایا۔ نوعِ آدم کو علم اور صلاحیت عطا کی کہ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق زندگی گزارے۔ پیغمبروں کے ذریعے صحیح اور غلط کی راہ نمائی کی۔

سوچ کے تین زاویے ہیں۔

★ انفرادی

★ نوعی

★ کائناتی

نوعِ آدم پر منحصر ہے کہ وہ انفرادیت میں رہ کر حیوانی طرز پر زندگی گزارے یا کائناتی سوچ اختیار کر کے احسنِ تقویم کے منصب پر فائز ہو جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”اور تم لوگ اس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں کا کیا کہنا۔ اور بائیں بازو والے، سو بائیں بازو والوں کا کیا ٹھکانا۔ اور سبقت لے جانے والے تو پھر سبقت لے جانے والے ہیں۔“ (الواقعہ: ۷۔۱۰)

غور طلب ہے کہ اللہ کے نزدیک نوعِ آدم کی پہچان رنگ، نسل، علاقہ، قوم، قبیلہ، مذہب، دین یا ذات پات کے حوالہ سے نہیں ـــ شناخت کا تعلق ”فکر“ سے ہے کہ سوچ کی طرز کیا ہے۔ عمل کی تحریک خیال سے ہوتی ہے۔ عمل کے پس پردہ سوچ ـــ عمل میں نمایاں ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں نوع انسانی کے تین گروہوں کا تذکرہ ہے۔

۱۔ دائیں والے

۲۔ بائیں والے

۳۔ آگے بڑھ جانے والے (مقربین)

کائنات میں ہر شے کے پس پردہ توانائی کام کر رہی ہے جو ایک طرف شے کا وصف یا پہچان ہے تو دوسری طرف وہی وصف اس کی زندگی کا موجب ہے۔ مثلاً قلم کا وصف ہے کہ وہ خیالات، تصورات کو الفاظ کا روپ دے کر کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔

کسی شے کو جب ہم زندہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر وصف متحرک ہے۔ وصف خالق کا عطا کردہ ہے اور — زندگی ہے۔

ہر شے زندگی اور اپنے وصف کے مظاہرہ کے لئے دوسرے پر انحصار کر رہی ہے۔ مثلاً فلم کے مظاہرہ کے لئے پروجیکٹر، روشنی، فاصلہ، اسکرین (پروجیکٹر کو اسکرین پر مظاہرہ کے لئے فاصلہ درکار ہے) کی ضرورت ہے۔ فلم بہت اچھی ہے لیکن کاغذ اور قلم نہ ہو تو تحریر کہاں لکھی جائے گی، پروجیکٹر نہ ہو تو فلم کیسے نشر ہوگی؟

مخلوق وسائل میں زندگی گزارنے کی پابند ہے۔ علم، قابلیت، صلاحیت اور اختیار کے باوجود مخلوق دیگر مخلوقات پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔

علم اور قابلیت بھی وسائل ہیں۔ قابلیت اور علم نہ ہو تو ہنر نہیں سیکھا جا سکتا۔ ہوا، دھوپ، روشنی، پانی، غلہ، اناج، سبزہ — سبزہ اگانے کے لئے زمین بنیاد ہے۔ ان عوامل کے بغیر کوئی بیج اپنی قابلیت یا صلاحیت بروئے کار نہیں لا سکتا۔

جب یہ علم مستحکم ہو جاتا ہے کہ زندگی خود مختار نہیں ہے بلکہ مشیت کی پابند ہے تو اپنی حقیقت کا احساس اور سوچ اور عمل میں انکساری و عاجزی آجاتی ہے۔ یہ سوچ فرد کو انفرادی طرزِ فکر سے آزاد کرتی ہے۔ انفرادی طرز — محدود ہے۔

کائناتی نظام میں ایک دوسرے پر انحصار کو روحانیت (روحانی علوم) میں خدمت کا نام دیتے ہیں۔ شعور سے ماورا ایک نظام، نظامِ تکوین ہے۔ جہاں صاحبِ خدمت افراد اللہ کی منشا کے مطابق فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ افراد خالقِ کائنات کو فاعلِ حقیقی سمجھتے ہیں۔ یہ ادراک عوام الناس کی فہم سے بالا ہے۔

کائناتی سوچ لامحدود ہے۔ اس کی وسعت کائنات کا احاطہ کرتی ہے۔ جو لوگ کائنات میں موجود ہر مخلوق کا احترام کرتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں، اپنی سوچ اور عمل سے ماحول میں تعفن نہیں پھیلاتے اور ہر معاملہ میں تعمیری کردار ادا کرتے ہیں تو ان کی سوچ کائناتی بن جاتی ہے۔ کائناتی سوچ کو حاصل کرنے کا طریقہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات پر عمل ہے۔

کائنات کڑی در کڑی منسلک ہے جیسے مشین کا ہر

پرزہ دیگر پرزوں کی معاونت کرتا ہے۔ ہر حرکت دوسرے سے وابستہ ہے۔ ہوا، سمندر میں سورج کی تپش سے بننے والے آبی بخارات کو اوپر اٹھا کر نہ لے جائے، بادل ان بخارات کو اپنے اندر محفوظ نہ کریں تو اولے، برف باری یا بارش کیسے ہوسکتی ہے۔

فرد یا نوع کی پہچان، اوصاف ہیں۔ آدمی منفی اور مثبت دونوں اوصاف کا مجموعہ ہے۔ علیین اور سجین عمل کے نتائج ہیں۔ ضمیر ایسی ایجنسی ہے جو فرد کو خبردار کرتی ہے اور اچھائی اور برائی سے آگاہ کرتی ہے۔

''اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کردی۔'' (الشّمس ۷-۸)

علوم میں طرزِ فکر کی اہمیت ہے۔ طرزِ فکر کا تعلق ماحول سے ہے۔ ماحول میں انفرادی یا ذاتی مفاد کے بجائے اجتماعی فلاح پر توجہ دی جائے تو اس ماحول میں تربیت پانے والے بھلائی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ کائناتی طرزِ فکر بندہ کو اللہ سے قریب کرتی ہے۔ خودغرضی اور انفرادی سوچ خالقِ کائنات سے دوری ہے۔

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔'' (حدیث)

امر سے واقف ہونے کے لئے انسان کو اپنی ذات کا وقوف حاصل کرنا ہوگا۔ اس بات کی وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

تصویر — مصور کا تعارف ہے۔

تعمیرات معمار کی تعریف ہیں۔

ایجادات اپنے موجد کا پتہ دیتی ہیں۔

شے کو دیکھ کر بنانے والے کے ذہن کا فہم ملتا ہے۔

مصنوعات کے ذریعے صناع تک پہنچا جاسکتا ہے۔

تخلیقات — خالق کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ہر نوع کی اتنی اقسام ہیں کہ شمار ممکن نہیں۔ زمین پر ہر طرف وسائل ہیں، نعمتوں کی کثرت ہے۔

تحقیق و تلاش کرنے والی اقوام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ تاہم حقیقی سکون نعمتیں فراہم کرنے والی ذات سے وقوف میں ہے۔ آدمی کی شخصیت میں جو اوصاف نمایاں اور غالب نظر آتے ہیں وہ مخفی ہوں یا مثبت ان کے پس پردہ طرزِ فکر کام کرتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ ''(البقرۃ: ۲۶۹)

جو قدسی نفس حضرات و خواتین خالق کائنات کا تعارف حاصل کرتے ہیں وہ معرفت کے لئے اپنی پسند و ناپسند کو رب العالمین کی پسند کے تابع کردیتے ہیں۔

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

Manufacturer of
Embroidery Lace & Fabrics

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

اقتباسات

کرم فرما خواتین وحضرات قارئین ''ماہنامہ قلندر شعور'' ادارہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ادارہ ان کی پسند وناپسند کے آئینہ میں جذبات واحساسات کی فلم دیکھ کر رسالہ میں تبدیلیاں کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔قارئین — قرآن کریم،آسمانی کتابوں،ملفوظات،تاریخ،انکشافات اور سائنسی فارمولے لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

غور وفکر کیا،سوچا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ خود مختار زندگی سے نجات عطا فرما دے اور پابند (Dependent) زندگی عطا کر دے۔یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کے بھروسے پر سمجھ میں آ گئی کہ مرشد موجود ہیں اور یہ بات تسلیم ہے کہ مرشد کو ہی سب کچھ بنانا ہے تو تین سال کے بچے کی طرح خود کو مرشد کے سپرد کر دینا چاہیے۔

سوچا کہ مجھے تو یہ علم بھی نہیں ہے کہ علم کیا ہے؟

یہ بھی پتا نہیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟

یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں جانا ہے؟

سراغ نہیں ملتا کہ زندگی کیا ہے؟

سانس کہاں سے آرہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟

فکشن،مفروضہ اور حقیقت کیا ہے؟

بہر حال یہ بات طے کر لی کہ Independent زندگی نہیں گزارنی،جو کچھ کہا جائے گا اس پر عمل کروں گا۔سمجھ میں آئے یا نہ آئے تعمیل کروں گا۔

(آگہی: حمیدہ۔کراچی)

تباہی کے اسباب پر غور کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ بسا اوقات ہم ایک برائی کو بہت کم تر اور معمولی سمجھتے ہیں لیکن حقیر نظر آنے والی یہی برائی جب بیج بن کر نشوونما پاتی ہے اور درخت بن جاتی ہے تو اس درخت کے کانٹے،کریہہ رنگ پھول،خشک سیاہ اور کھردرے پتے،بجھی بجھی اور بے رونق شاخیں پوری نوع کو غم آشنا کر دیتی ہیں۔یہ غم ضمیر کی ملامت بن کر مہلک بیماریوں کے ایسے کنبہ کو جنم دیتا ہے جس سے آدمی بچنا بھی چاہے تو بچ نہیں سکتا۔اگر ہم واقعتاً حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور تفکر کو اپنا شعار بنانا چاہتے

ہیں تو ہمیں جاننا ہوگا کہ خیر وشر کے تمام مراحل ایک کنبہ کے افراد کی طرح زندہ اور متحرک ہیں۔ نیکی کا درخت رحمت و برکت کا سایہ ہے اور بدی کا درخت خوف، پریشانی اور رنج و ملال کی کیفیات کو آدمی پر مسلط کر دیتا ہے۔ (محبوب بغل میں: سید حسن، پھالیہ)

ایک جگہ بیعت ہونے کے بعد مرشد کی اجازت کے بغیر مرید کسی دوسری جگہ بیعت نہیں ہوسکتا۔ مرشد کے وصال کے بعد بھی بیعت ختم نہیں ہوتی۔ البتہ کسی صاحبِ روحانیت کی قربت سے فیض حاصل ہوسکتا ہے۔ وصال کے بعد بیعت کو اس لئے ختم نہیں کیا جا سکتا کہ روحانی فیض دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

روحانی علم دراصل ورثہ ہے۔ جس طرح صُلبی باپ اولاد کی بہترین تربیت کرنا مقصدِ زندگی سمجھتا ہے اسی طرح مرشد بھی شب و روز روحانی اولاد کی تربیت میں مشغول رہتا ہے۔ اذیتیں، تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کر کے شاگرد کے اندر روحانی طرزِ فکر منتقل کرتا ہے۔ شاگرد کی کوتاہیوں پر صبر کرتا ہے۔ غلطیوں کو معاف کرتا ہے۔ مرشد اپنے شاگرد کے لئے مکمل ایثار ہوتا ہے۔ تربیت کے دو طریقے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کر تربیت کی جائے، غصہ کر کے کسی کام سے روکا جائے۔ اس طرزِ عمل سے تربیت تو ہو جاتی ہے لیکن شاگرد کو جب بھی موقع ملتا ہے اور خوف دامن گیر نہیں ہوتا، وہ اس کام کو ضرور کرتا ہے جس سے منع کیا گیا تھا۔

تربیت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوتاہیوں پر صبر کیا جائے اور غلطیوں کو معاف کیا جائے۔ اس قدر معاف کیا جائے کہ بندہ شرمندہ ہو کر کوتاہیوں اور غلطیوں کو چھوڑ دے۔ ایسا شخص غلطیوں کو نہیں دہراتا بلکہ تربیت کرنے والے استاد سے محبت کرتا ہے — جاں نثاری کی آخری حد تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔

(احسان وتصوف: یاسر حماد۔ کراچی)

بچپن میں جب ہوش و حواس کا دور شروع ہوتا ہے تو بچہ کو بتا دیا جاتا ہے کہ یہ سورج ہے، یہ چاند ہے، یہ قلم اور کتاب ہے۔ یہی ریکارڈ وہ بچپن سے موت تک استعمال کرتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بچہ کسی کتاب کو درخت کہے یا درخت کو کتاب کا نام دے۔ جو کچھ شعور میں ریکارڈ ہوگیا، وہی شعور ہے۔ شعور اپنے ریکارڈ کو یا ریکارڈ میں موجود نقوش کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ طریقے بہت سے ہیں، ان میں ایک طریقہ جو تمام نوعوں میں مشترک ہے، نگاہ ہے۔ شعور اپنے ریکارڈ کو نگاہ کے ذریعے دیکھتا، استعمال کرتا اور دہراتا ہے۔ نگاہ دو طرح دیکھتی ہے یعنی شعور اور لاشعور نگاہ کے دو رخ ہیں۔

(نظریہ رنگ ونور: مراد صادق۔ لاہور)

کوکب شاہ عالم

سردیوں میں شام ہوتے ہی ٹن ٹن کی مخصوص آواز کے ساتھ ریت میں بھنی جانے والی مونگ پھلی کی مہک سے گرما گرم مونگ پھلی کھانے کو دل چاہتا ہے۔موسمِ سرما کی لمبی راتوں میں اگر کوئی تقریب رات گئے تک جاری رہے تو تواضع کے لئے مونگ پھلی کا اپنا الگ مزا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں کہ جب ٹھنڈ بڑھتی ہے تو سب سے زیادہ استعمال ہونے والے میوہ جات میں ایک میوہ مونگ پھلی بھی ہے جو ہر عمر کے خواتین وحضرات اور بچوں کی پسندیدہ ہے۔

ذائقہ اور غذائیت کے لحاظ سے دیگر چیزوں کی طرح مونگ پھلی بھی ایک پھل ہے۔ یہ پھلی دار پودا ہے اور خشک میووں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مونگ پھلی پہلی مرتبہ ملک پیراگوئے کی وادیوں میں کاشت کی گئی۔ پودے کی اونچائی 30 تا 50 سینٹی میٹر ہے۔مونگ پھلی کی کاشت اور پیداوار میں چین اول نمبر پر ہے۔کُل پیداوار کا 37 فیصد یہیں کاشت ہوتا ہے۔

مونگ پھلی غریبوں کا بادام ہے ۔اس میں 26 فیصد تک لحمیات کا ذخیرہ ہے۔ علاوہ ازیں روغنیات تھایامین، نیاسین، فولاد، وٹامن ای، ڈی، کے اور بی 6، فولیٹ، کیلشیم، جست اس میں شامل ہیں۔ اس کے استعمال سے زہریلے مادے خارج ہوتے ہیں۔ یہ وہ مادے ہیں جو غیر خالص غذا اور آلودگی سے جسم میں پنپتے ہیں۔

مونگ پھلی غذائیت کے اعتبار سے سیب، چقندر اور گاجر سے زیادہ قوت بخش ہے۔مونگ پھلی کا استعمال ہونٹوں کو گلابی رکھتا ہے اور جلد کی خشکی دور ہوتی ہے۔ اس میں موجود وٹامن ڈی سے ہڈیاں اور دانت مضبوط ہوتے ہیں اور وٹامن سی سرطان (کینسر) کے خلاف قوتِ مدافعت ہے۔اس میں موجود فولاد خون کے نئے خلیات بنانے میں اہم ہے۔

100 گرام کچی مونگ پھلی میں تقریباً ایک کلوگرام دودھ کے برابر لحمیات ہوتے ہیں جب کہ حیاتین کی مقدار گوشت کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ مونگ پھلی نظامِ ہضم کی صلاحیت بڑھانے میں کارگر ہے۔

مونگ پھلی چکنائی بھرا کیپسول ہے۔ باقاعدہ استعمال دبلے افراد اور باڈی بلڈنگ کرنے والوں کے لئے غذائیت بخش ہے۔

تحقیق بتاتی ہے کہ ذیابیطس کے مریضوں کے لئے مونگ پھلی کا استعمال مفید ہے۔ دوسرے درجہ کی ذیابیطس میں روزانہ ایک چمچہ مونگ پھلی کا استعمال مثبت نتائج مرتب کرسکتا ہے۔ معالجین کا کہنا ہے کہ مونگ پھلی کا استعمال انسولین استعمال کرنے والے افراد کے خون میں انسولین کی سطح برقرار رکھتا ہے۔

مونگ پھلی اعصاب کو طاقت دیتی ہے۔ گرتے بالوں اور کم زور ناخنوں کے لئے مونگ پھلی کا استعمال مفید ہے۔ خارش میں مونگ پھلی کھانا مفید نہیں ہے۔

غذائی ماہرین کا مشورہ ہے کہ مونگ پھلی کچی، بھنی ہوئی یا تلی ہوئی شکل میں کھانے کے بجائے ابال کر کھائیں تو صحت مند کیمیائی مادے چار گنا مقدار تک حاصل ہوتے ہیں جو بیماری سے مدافعت میں مدد دیتے ہیں۔

مونگ پھلی کھانے کے بعد فوراً پیاس لگتی ہے، ایسے میں پانی نہیں پینا چاہیے ورنہ کھانسی ہوسکتی ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق کچی مونگ پھلی کے مقابلہ میں تلی ہوئی مونگ پھلی سے الرجی ہوسکتی ہے جب کہ زیادہ درجہ حرارت پر تلنے کی وجہ سے مونگ پھلی میں کیمیائی تغیرات پیدا ہوتے ہیں جس سے مدافعتی نظام زیادہ فعال ہو جاتا ہے اور الرجی کا ردعمل ظاہر ہوسکتا ہے۔

ایشیائی ملکوں میں مونگ پھلی سے الرجی کی شرح کم

مونگ پھلی کی افادیت کے حوالہ سے نئی تحقیق میں مونگ پھلی کے استعمال کو لمبی عمر کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ زیادہ مونگ پھلی اور گری دار خشک میوے کھانے والے لوگوں میں عارضہ قلب کے باعث اموات کے خطرات کم ہوتے ہیں۔

ہے۔ اس کی وجہ مونگ پھلی کو تلنے کے بجائے بھون کر یا ابال کر کھانا ہے۔

مونگ پھلی کا مختلف پکوانوں میں استعمال ہوتا ہے جو کھانے کو ذائقہ دار بناتا ہے۔ خاص طور پر میٹھے پکوان، ڈرائی کیک میں مونگ پھلی کا استعمال عام ہے۔

مونگ پھلی کا چھلکا بھی فوائد رکھتا ہے۔ گھروں میں انگیٹھیوں میں ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سو کلوگرام مونگ پھلی کے چھلکوں سے صنعتی استعمال کے لئے تین کلوگرام Residual Oil نکلتا ہے جو صابن بنانے میں معاون ہے۔ چھلکا فرنیچر اور دیگر لکڑی کے اوزار بنانے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ مونگ پھلیاں شوق سے کھاتے ہیں ان کو الزائمر کی بیماری نہیں ہوتی۔ الزائمر میں بندہ کی یادداشت اور سوچنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ دماغ میں سیروٹونین سیکریشن کے باعث بندہ ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے۔ مونگ پھلی میں Tryptophan سیروٹونین کی سیکریشن میں مدد کرتے ہیں۔

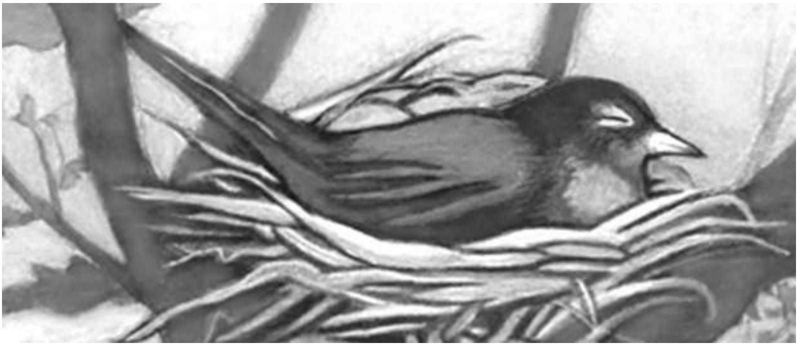

ہوتے ہیں تو ہم کوئلے سے ہیرا بن جاتے ہیں۔ اس علم کو حاصل کرنے کا طریقہ قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا ہے، اس پر غور کرنا اور عمل کرنا ہے۔

ایک روز بادشاہ کسی بات پر پریشان تھا۔ کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کے دوران ذہن کتاب سے ہٹ جاتا۔ بادشاہ کا ذہن جب کتاب پڑھنے میں نہیں لگا تو خاص وزیر کو طلب کیا۔

وزیر نے دیکھا کہ بادشاہ کمرے میں تیز قدموں سے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹہل رہا ہے — چہرہ سے بے چینی ظاہر تھی۔

بادشاہ سلامت! بندہ حاضر ہے۔ کیا بات ہے آپ پریشان نظر آرہے ہیں؟

بادشاہ بولا، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جب میں کوئی کام کروں اور ذہن کہیں اور ہو۔ جو کام کرتا ہوں، پوری توجہ سے کرتا ہوں لیکن آج کسی کام میں دل نہیں لگ رہا۔ پہلے جب ایسا ہوتا تھا تو میں سکون کے لئے سفر پر چلا جاتا یا کسی ایسی چیز کو دیکھتا جس سے ذہن میں ادھر ادھر کے خیالات نہ آئیں۔ اس بار سفر پر جانا ممکن نہیں ہے، ایسا کرو کہ ملک کے بہترین مصوروں سے کہو کوئی ایسی تصویر یا فن پارہ تخلیق کریں جسے دیکھوں تو سکون میرے اندر اتر جائے۔ تصویر کا عنوان ہوگا — ''حقیقی سکون''

وزیر نے ادب سے سر جھکایا اور الٹے پیروں باہر چلا گیا۔ دو روز بعد وزیر نے بادشاہ کو بتایا، ملک کے تین مشہور اور ماہر مصوروں کو محل میں بلایا گیا ہے۔ آپ جس طرح کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں، انہیں اس کی تفصیلات بتا دی ہیں۔ انشاء اللہ کل تک تصویریں تیار ہو جائیں گی۔

اگلے دن دربار میں ہر مصور نے اپنی بنائی ہوئی

تصویر پیش کی ۔ پہلی تصویر میں پہاڑی علاقہ کا منظر تھا ۔ پہاڑوں کے درمیان خوب صورت جھیل تھی جس کا نیلا پانی ٹھہرا ہوا تھا۔جھیل کی سطح آئینہ جیسی تھی ۔ آئینہ میں پہاڑوں اور آسمان کا عکس پڑ رہا تھا۔تصویر میں کوئی بندہ، پرندہ یا جانور نہیں تھا۔سفید روئی کے گالے آسمان میں اڑ رہے تھے۔

تصویر دیکھ کر بادشاہ مسکرایا اور کہا، بہت خوب!

دوسری تصویر میں گول مٹول پیارا بچہ جھولا جھول رہا تھا۔ بچہ نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور سر پر اونی ٹوپی تھی جو پہاڑ کی طرح اوپر کو اٹھی ہوئی تھی ۔ گال سرخ سیب جیسے تھے۔ آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا۔ پتلی میں ہیرے کی چمک تھی ۔

پیارے بچو ! آئینہ میں دیکھئے— آپ کی آنکھیں بھی روشن اور چمک دار ہیں ۔ جو لوگ خوش رہتے ہیں ان کی آنکھیں ہیرے کی طرح چمکتی ہیں ۔ بادشاہ تصویر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔

اس نے تصویر کی تعریف کی اور کہا، سبحان اللہ!

تیسرے مصور کی تصویر سامنے لائی گئی تو دربار میں موجود سب لوگ حیران رہ گئے ۔ اس میں آبشار بنائی گئی تھی ۔ وزیر بے اختیار آگے بڑھا اور کہا، معذرت چاہتا ہوں بادشاہ سلامت ! لگتا ہے کہ مصور میری ہدایت نہیں سمجھا۔سکون سے بھرپور منظر بنانا تھا لیکن اس نے تو آبشار بنادی جس کا شور بہت ہوتا ہے۔

بادشاہ نے وزیر کی بات سنی اور ایک نظر دربار میں بیٹھے سب لوگوں پر ڈالی۔اس کے بعد کہا کہ یہ تصویر سب سے اچھی ہے!

جواب نے سب کو حیران کر دیا۔

بادشاہ نے کہا ، اس تصویر کو غور سے دیکھو، اس میں آبشار اہم نہیں ہے۔

وزیر نے تصویر پر گہری نظر ڈالی۔سمجھ میں آ گیا کہ یہ تصویر پہلی دو تصویروں سے کیوں اچھی ہے۔

وزیر نے دیکھا کہ تصویر میں آبشار کے قریب ایک درخت ہے۔درخت کی ایک شاخ پر چھوٹا سا گھونسلا ہے جس میں چڑیا سو رہی ہے۔

بادشاہ نے کہا: آبشار کا پانی گر کر مستقل شور مچا رہا ہے لیکن یہ دیکھو کہ شور کے باوجود چڑیا آرام سے گھونسلے میں سو رہی ہے ۔ اس چڑیا کے اندر اتنا سکون ہے کہ باہر کا شور اسے پریشان نہیں کر رہا— یہ اصل سکون ہے ۔ یہ سکون سب کے اندر ہے اگر یک سوئی کے ساتھ تلاش کیا جائے۔

پیارے بچو — آپ نے گول مٹول گوری چٹی بغبغے والی چھوٹی بہن کو دیکھا ہے — وہ آرام سے جھولے میں سو رہی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوتے ہوئے مسکرا رہی ہے۔ آپ کو پتا ہے بچہ قلقاریوں کے ساتھ ہنستا کیوں ہے؟

اس لئے ہنستا ہے کہ اس کے اندر سکون ہے۔ اس لئے ذات برادری اور اس کے علاوہ سب چھوٹے بڑے بزرگ اسے پیار کرتے ہیں۔ اس میں نہ مذہب کی کوئی قید ہے اور نہ امیر غریب کی۔

بچہ کو جب کوئی خوش ہو کر دیکھتا ہے تو اس کے دل میں جو آئینہ ہے — آئینہ میں ہنسنے کی تصویر بنتی ہے۔ آپ بھی ہنسیں۔ اماں ابا اور آپ کے دوست آپ کے ساتھ ہنسیں گے جب کہ ہنسنے کی کوئی بات بھی نہیں ہوگی۔

بادشاہ نے کہا کہ میں باہر سکون ڈھونڈ رہا تھا اس لئے پریشان ہو گیا۔ جب کہ سکون اندر ہے اور ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔

بادشاہ نے تیسرے مصور کو بہت سے انعامات سے نوازا اور دوسرے مصوروں کو بھی ان کی کوشش پر انعامات دیئے۔ انعامات میں کتابیں بھی تھیں۔

فضل اور کریم پڑوسی تھے۔ فضل زمین دار تھا اور کریم کھیتی باڑی کرتا تھا۔ کریم غریب تھا لیکن خوش رہتا تھا اس لئے میٹھی نیند سوتا تھا۔ دوسری طرف فضل فکرمند رہتا تھا کہ گھر میں چوری نہ ہو جائے۔ ہلکا کھٹکا ہوتا اور آنکھ کھل جاتی۔ فضل جب کریم کے چہرہ پر سکون دیکھتا تو کہتا کہ یہ غریبی میں خوش ہے اور میں سب کچھ ہونے کے باوجود بے سکون ہوں۔ ایک دن فضل نے کریم کو لفافہ دیا اور کہا کہ اس میں پیسے ہیں، تحفہ سمجھ کر قبول کر لو۔ بچوں کے لئے نئے کپڑے بنوا لینا۔ کریم بہت خوش ہوا اور لفافہ چادر میں چھپا کر گھر لے آیا۔ سونے لیٹا تو کھڑکی دروازے بند کر دیئے۔ نظر بار بار لفافہ پر جاتی۔ رات پریشانی میں گزر گئی۔ صبح ہوئی، لفافہ لیا اور فضل کے گھر پہنچ گیا۔ لفافہ واپس کرتے ہوئے کہا — بھائی فضل! میں غریب سہی لیکن سکون کی نیند سوتا تھا۔ ان روپوں کی وجہ سے رات بھر سو نہ سکا۔ تمہارا شکریہ مگر میں یہ پیسے نہیں لے سکتا۔ ان سے سب خرید سکتا ہوں لیکن سکون نہیں۔

مکھی اور پروانہ

آؤ بچو کہانی سنو! یہ کہانی مکھی اور پروانہ کی ہے۔ یہ دونوں پڑوسی تھے جب کہ ان کی عادتیں اور رہن سہن مختلف تھا۔ کھانے کی کوئی شے کھلی رہ جاتی تو مکھی وہاں پہنچ جاتی۔ مکھی اتنی زیادہ ندیدی ہے کہ جہاں ذرا سی بھی چکنائی لگی دیکھتی ہے، پہنچ جاتی ہے۔ پتا نہیں اس کا پیٹ ہے یا صندوق، کسی طرح بھرتا ہی نہیں ہے۔ بڑوں کا تجربہ ہے کہ مکھی ایک زندہ پرندہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی مکھی بھن بھن کرتی ہوئی کان پر بیٹھ گئی۔ اس کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا وہ اڑ گئی۔ آپ کتاب پڑھنے لگے وہ پھر آ گئی اور بھن بھن کرتی دوسرے کان کے اندر بیٹھ گئی۔ بے خیالی میں زور سے ہاتھ ہلایا اور آپ کے کان میں چوٹ لگ گئی۔ آپ چلے تھے مکھی مارنے، اس سے پہلے کہ آپ کا ہاتھ کان تک پہنچتا مکھی اڑ گئی اور کبھی کبھی چھوٹی مکھی اتنا پریشان کرتی ہے کہ آدمی اس کی ضد کے آگے مجبور ہو جاتا ہے اور خود کو مکھی کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

مکھی کا پڑوسی پروانہ صفائی پسند تھا۔ جو ملتا شکر کر کے کھاتا۔ بچو! جو چیز مل جائے اس پر شکر کرنا اور لالچ نہ کرنے کی عادت کو قناعت کہتے ہیں۔ پروانہ اور اس کی بیوی اپنے بچوں کو سمجھاتے تھے کہ اللہ نے ہمیں کھانے کی چیزیں اس لئے دی ہیں کہ ہم توانائی حاصل کریں۔ ابا پروانہ اپنے بچوں کی اسی طرح تربیت کرتے ہیں جیسے آدمی باپ اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ پروانہ کو کھانے سے محبت نہیں تھی۔ وہ وقت پر کھانا کھاتا تھا اور اتنا کھا لیتا تھا کہ صحت اچھی رہے۔ اسے روشنی سے محبت تھی۔ اماں ابا نے سکھایا تھا کہ ہمارا مقصد روشنی حاصل کرنا ہے۔ ہمیں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ روشنی پر قربان ہو جائیں۔ جب تک ہم خود کو روشنی کے حوالہ نہیں کریں گے، ہم خود روشن نہیں ہوں گے۔

ایک دن بچے صحن میں کھیل رہے تھے، پروانہ بچوں کو ہنستے مسکراتے کھیلتا دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ بچوں جیسے آپ کے اماں ابا آپ کو ہنستا مسکراتا دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اس طرح پروانے بھی اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی

تربیت بھی کرتے ہیں۔

پروانہ نے آنکھیں بند کیں ۔ بند آنکھوں کے پیچھے دنیا روشن ہوئی، اسے اپنے اماں ابا نظر آئے جن کا انتقال ہو چکا تھا۔محسوس ہوا کہ ابا اماں سامنے کھڑے ہیں ۔آنکھیں کھولیں تو سامنے بچے کھیل رہے تھے۔پھر آنکھیں بند کیں—ایک بار پھر اماں ابا کا مسکراتا چہرہ سامنے تھا۔پروانہ حیران تھا کہ آنکھیں بند کرتا ہوں تو جو سامنے ہوتا ہے وہ نظر نہیں آتا اور جو غائب ہوتا ہے وہ سامنے آجاتا ہے ۔ دونوں میں سے اصل منظر کون سا ہے ۔وہ جو کھلی آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے یا وہ جو بند آنکھوں سے نظر آرہا ہے؟ مگر ایک بات تھی—پروانہ کو آنکھیں بند کر کے اپنے اندر دیکھنا بہت اچھا لگا۔

ایک بار پھر اپنے اندر دیکھا تو اماں ابا کی آواز آئی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بیٹا یاد رکھو! پروانوں کی زندگی کا مقصد روشنی ہے۔تمہیں روشنی نظر آئے تو لپٹ جانا اور روشنی پر قربان ہو جانا۔ ہم بھی تمہیں اس روشنی میں ملیں گے ۔ابا پروانہ نے بتایا کہ لوگوں کو لگتا ہے کہ جب ہم روشنی کے قریب جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ جو روشنی کے اندر جاتا ہے— وہ روشنی بن جاتا ہے۔ ڈرنا

نہیں ۔جو ڈرتا ہے اسے معلوم نہیں کہ روشنی کیا ہے اور روشنی کے اندر کیا ہے۔

اس نے پوچھا، ابا! روشنی کیا ہے—؟

ابا پروانہ نے بتایا کہ روشنی ہر طرف پھیلتی ہے۔ خود بھی دیکھتی ہے اور دوسروں کو بھی راستہ دکھاتی ہے۔یہ بتا کر اماں ابا چلے گئے۔ پروانہ نے آنکھیں کھولیں—سامنے اس کے بچے تھے۔

ایک دن مکھی پروانہ سے ملنے آئی۔لمبی ڈکار مارتے ہوئی بولی ،تم پروانے بھی عجیب ہوتے ہو، ساری نعمتیں چھوڑ کر شمع پر جان قربان کر دیتے ہو۔ مجھے دیکھو! میرے پاس ہر نعمت ہے۔ بچے کھاتے پیتے صحت مند ہیں۔ بھائی پروانے ،میری مانو تو اپنے ماں باپ کے نقش قدم پر مت چلنا،جل جاؤ گے۔

پروانہ مسکرایا اور بولا ،مکھی باجی ! جو شخص جس چیز

کے پیچھے بھاگتا ہے اسے وہی ملتی ہے ۔تمہیں کھانے سے محبت ہے ، اس لئے کھانے پر ٹوٹ پڑتی ہو۔روشنی سے عشق میری فطرت میں ہے۔

مکھی ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی ، بس کرو بھائی بس! تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ تمہاری اماں بھی ایسی باتیں کرتی تھیں۔لیکن انجام کیا ہوا—؟ شمع کے قریب جا کر ختم ہوگئی!

مجھے دیکھو—اتنا بڑا خاندان ہے۔ایسی بھی کیا محبت کہ بندہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

پروانہ بولا ، مکھی باجی! کھانا پینا زندگی نہیں ۔ جو شخص روشنی پر قربان ہو جاتا ہے، وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ایک پروانہ جلتا ہے تو اور پیدا ہوتے ہیں۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہماری نسل ختم ہو جاتی۔

بھائی پروانے! میرے پاس بے کار باتوں کا وقت نہیں، میں ذرا کچھ کھا پی کر آجاؤں ۔ وہ اڑی اور حلوائی کی دکان میں شیرے سے بھری جلیبی پر بیٹھ گئی۔ پر چپک گئے ۔ بہت کوشش کی اڑ جاؤں ۔ اتنے میں حلوائی نے دیکھ لیا۔ چمچہ اٹھا کر مکھی پر مارا اور وہ مر گئی ۔مکھی کا انجام دیکھ کر پروانہ کو بہت افسوس ہوا ۔

اس رات تیز بارش ہوئی۔سامنے گھر کے صحن میں شمع جل رہی تھی۔ بارش رکی تو بہت سارے چھوٹے بڑے پروانوں نے شمع کی طرف اڑنا شروع کیا۔ گیلی مٹی کی خوش بو ماحول میں بسی ہوئی تھی۔شمع دان میں شمع کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ آگے بڑھے — اور پھر شمع کے گرد دائروں میں رقص کرنے لگے ۔ کوئی خوف، غم نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد سب پروانے ایک ایک کر کے روشنی پر قربان ہو گئے۔

صبح لوگوں نے دیکھا — شمع جل رہی ہے اور ہزاروں پروانے اس پر نثار ہو چکے ہیں۔

بچو! ہم سب کو ایک روز اس دنیا سے چلے جانا ہے۔مکھی کی بھی موت ہوگئی اور پروانہ بھی شمع پر نثار ہو گیا لیکن دونوں کی زندگی میں فرق ہے۔

مکھی کی زندگی کا مقصد کھانا پینا اور کھانوں پر بھن بھنانا تھا۔ پروانہ کی زندگی روشنی تھی۔ پروانہ مر گیا لیکن جب وہ شمع میں داخل ہوا تو شمع کی روشنی میں شامل ہو گیا۔اب جب روشنی پھیلے گی اور جہاں جہاں تک پہنچے گی—وہاں پروانہ کا ذکر بھی ہوگا۔

بچو! ہمیشہ ایسے کام کریں جس سے آپ کا نام روشن ہو اور آپ کی روشنی اندھیروں کو روشن کرے۔

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ

عمرہ سروس

THE FLYING PEOPLE

D.T.S

TRAVEL AGENTS TAAP ASSOCIATION OF PAKISTAN

تجمل ٹریولز

(پرائیویٹ) لمیٹڈ

• بجٹ پیکج

•• اکانومی پیکج

••• سٹار پیکج

ویزہ ہوٹل / ٹرانسپورٹ

ائیرلائن ٹکٹ زیارات

عمرہ کی رہنمائی اور تمام ائیرلائن کی سستی ترین ٹکٹ دستیاب ہیں

رانا تجمل حسین
0300-6654211
0321-6680266

طیب طاہر
0336-6333313
0347-7000038

Gole Bhawana &Aminpur Bazar, Faisalabad.
Email:tajammaltravels1@gmail.com
Ph: 041-2641904

PIA Pakistan International
GULF AIR
QATAR AIRWAYS القطرية
airblue
Emirates
flydubai
العربية للطيران airarabia.com
SHAHEEN AIR

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

محمد عدنان خان

پرتیاہار

نورِ ہدایت سے معمور ایک ایسے تشنہ روح فرد کی سرگزشت جس کو حوادث نے استدراج کی سیاہ گھاٹیوں اور کالے علوم کے اندھیرے راستوں کا مسافر بنا دیا تھا۔

بابا سونیری کی پانچ سال کی تربیت سے میرا شمار بڑے جادوگروں میں ہونے لگا۔ ایک روز ایک ادھیڑ عمر مجذوب محلّہ میں آیا، دادا مجذوب کے اثر کا شکار ہو کر بصارت سے محروم ہو گئے اور ہمیں عجلت میں علاقہ چھوڑنا پڑا۔ بقول بابا سونیری تربیت کی نئی سمت کا تعین ہو چکا تھا۔ منزل ایک قدیم قبرستان کے قریب رہائش گاہ تھی۔ تاریک رات میں جھونپڑی میں اجنبی کی موجودگی سے خوف کی لہر وجود میں دوڑ گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ وڈیرا دھاندل سے انتقام لینا چاہتا ہے لیکن میرے دادا کی وجہ سے قید میں ہے۔ دادا نے کہا، ملوکا کے دوست کرم علی کا مرشد بڑا زور آور ہے۔ گھڑ دوڑ کا مقابلہ تھا۔ کرم علی نے ملوکا کو مرشد کا پیغام دیا کہ وہ ریس میں حصہ نہ لے لیکن اب پیچھے ہٹ جانا ممکن نہیں تھا۔ ملوکا ریس جیت گیا۔ دھاندل نے انتقاماً ملوکا کے گھوڑے کو زہر دے دیا۔ ملوکا نے کرم علی کے مرشد کے حکم پر گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ خبر دھاندل تک پہنچ گئی۔ اس سے پہلے کہ صبح ہوتی، اس کا گھر شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ ملوکا کو انصاف دلانے کے لئے گاؤں جانے کا وقت آ گیا تھا۔ سب سے پہلے دھاندل کو تحفظ دینے والے سہاسی جادوگر کو ٹھکانے لگایا اور پھر دھاندل کے عیاش بیٹوں کی موت نے دھاندل کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ ملوکا آزاد ہو چکا تھا، کرم علی کے مرشد نے اسے قبول کر لیا اور میرے لئے بھی پیغام بھجوایا۔ کام مکمل ہونے کے بعد ہنی دان پہنچا تو ہر طرف آگ تھی۔ جھونپڑی سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ دادا بری طرح زخمی تھے جب کہ بابا سونیری راکھ کے ڈھیر پر پڑے تھے۔ میری غیر موجودگی میں باظناری اجنہّ نے حملہ کر دیا تھا۔ میں نے دادا اور بابا سونیری کو سنبھالا۔ بابا سونیری نے باظناریوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ یقین تھا کہ وہ بدلہ لینے آئیں گے۔ ہم جوابی حملہ کے لئے تیار تھے۔ گھمسان کا معرکہ ہوا جس میں دونوں طرف بھاری نقصان ہوا۔ جالموت کے اکثر ساتھی مارے گئے۔ دادا اور بابا سونیری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور میں بے ہوش ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو میں سلطنتِ اجنہّ میں باظناریوں کی قید میں تھا۔ موقع ملتے ہی فرار ہوا اور ظربوق سے ملاقات ہوئی——

شروع میں جسم نے کئی قلابازیاں کھائیں۔ اس دوران ذہن کو مرکوز کر کے جسم سنبھالنے کی کوشش کی۔ کوشش سے ذہن اور جسمانی پرواز کے درمیان ربط کا انکشاف ہوا۔ جناتی فضا میں پرواز فقط ذہنی سرگرمی کی مرہون منت ہے۔ احساس ہوتے ہی خود کو سنبھال لیا اور قوت ارادی سے پرواز شروع کر دی۔

پرواز کی بلندی اور پستی سانس کی آمد و رفت سے جڑی ہوئی ہے۔

ایک بار پھر میں ظربوق کے شانہ بشانہ اڑ رہا تھا۔ اموقار میں اجنّہ کی آبادی نظروں کے سامنے آئی تو میں نے ظربوق کو دیکھا۔خوف اور الجھن کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے۔

میں نے بھاکا زبان میں کہا، ظربوق! مجھے اپنے لوگوں کی آبادی سے دور رکھنا۔ اموقار کے اطراف پہاڑوں میں اگر کوئی غار غیر آباد ہے تو وہاں لے چلو۔

ظربوق نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور پرواز کا رخ ایک مخصوص پہاڑ کے حصہ کی جانب کر دیا۔زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔ جیسے ہی توجہ اس طرف جاتی تکلیف کا احساس غالب ہوجاتا۔درد اور جلن کی شدت بار بار میری غیر معمولی برداشت پر غالب آنے کی کوشش کرتی مگر آزادی کی خواہش ہر شے پر بھاری تھی۔

اموقار کے اطراف میں جس مقام پر اترے وہاں ہر طرف غار تھے۔میں باطناریوں سے کسی حد تک محفوظ ہو چکا تھا۔ایک بار پھر غشی کا غلبہ ہونے لگا۔لڑکھڑاتے قدموں سے غار میں داخل ہونے کے بعد اتنا یاد ہے کہ میں گر گیا تھا۔

کتنے دن بے ہوش رہا یاد نہیں۔

آنکھ کھلی تو ظربوق میرے زخموں پر مرہم لگا رہا تھا۔ اس نے بے ہوشی کے دوران میرا بہت خیال رکھا اور وقتاً فوقتاً مرہم لگاتا رہا تاکہ زخم بھر جائیں۔ تکلیف کی شدت میں کافی کمی تھی لیکن بخار اور نقاہت سے میں بے حال تھا۔

ظربوق نے سہارے سے بٹھایا اور کھانا سامنے رکھ دیا۔ بھانولی (خاص قسم کی روٹی) اور ہڈیوں اور کوئلوں کا ملا جلا سالن تھا۔

مجھے اشارہ کرکے خود بھی کھانا کھانے لگا۔وہ ہڈیاں اور کوئلے اس طرح کھا رہا تھا جیسے بغیر ہڈی کے گلے ہوئے گوشت کی بوٹیاں ہوں۔ دل متلایا ہوا تھا مگر نقاہت کے پیش نظر میں نے بھی نوالے زہر مار کرنا شروع کر دیئے۔

سالن کا ذائقہ منفرد تھا۔مرچیں نام کو نہیں تھیں البتہ نمک موجود تھا۔وہ انہماک اور رغبت سے کھانا کھاتا رہا جب کہ میں آدھی روٹی سے زیادہ نہ کھا سکا اور آنکھیں موند کر زخم زدہ پیٹھ کے ساتھ لیٹ گیا۔

ظربوق نے کھانا کھانے کے بعد میرے پورے جسم پر خاص قسم کی بکری کے خون میں بھیگے ہوئے بزرقطونہ (اسپغول) کا لیپ کیا۔بھرے پیٹ اور ٹھنڈے لیپ سے نشہ سا طاری ہوا اور ایک مرتبہ پھر نیند غالب ہوگئی۔

جنات کے قد خاصے لمبے، ہاتھوں اور پیروں میں دوشاخ نما انگلیاں ہوتی ہیں۔ہاتھ جسم کی طرح لمبے اور لٹکی ہوئی حالت میں گھٹنوں سے نیچے تک ہوتے ہیں۔ آنکھیں گول جن میں سفید رنگ نمایاں، سر قدرے چھوٹا اور اوپر سے ہلکا سا مخروطی ہوتا ہے۔زیادہ تر جنات کا رنگ تیز گندمی لیکن اس طرح کہ سرخی

نمایاں ہوتی ہے۔

یہ اپنے علاقوں کے لحاظ سے شکل وصورت اور قد کاٹھ میں معمولی فرق بھی رکھتے ہیں، جیسا کہ آدمی ۔ برودت (ٹھنڈ والے) علاقہ کے لوگ سرخ و سفید، حرارت والے علاقوں میں رہنے والے گندمی اور کالے ہوتے ہیں ۔ جنات ہماری آبادیوں سے جانوروں کی ہڈیاں، درختوں کا کوئلا ، گوبر ، لید ، مینگنیاں اور بیٹ حاصل کرتے ہیں اور اپنے جانوروں کے لئے بطور چارہ استعمال کرتے ہیں۔ الگ الگ طرح کا گوبر جناتی مویشیوں کے لئے مختلف اقسام کا چارا ہے۔ پرندوں کا فضلہ قیمتی تصور ہوتا ہے۔

جنات کے یہاں وہی کچھ ہوتا ہے جو آدمی کے یہاں ہے۔ وہاں بھی ترقی یافتہ ،ترقی پذیر اور پس ماندہ اقوام ہیں۔ درس گاہیں، شہری علاقے ، گاؤں ، دیہات اور ضروریات زندگی کا سارا انتظام ہے۔

جنات کی بڑی تعداد روح میں مخفی علوم پر یقین رکھتی ہے اور علم کے حصول کے لئے ہمہ وقت سرگرم رہتی ہے۔ کچھ جنات روح کے علوم کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جہاں تک نوعِ آدم کا تعلق ہے یہ تناسب الٹ دکھائی دیتا ہے۔ یعنی روح کے علوم پر یقین رکھنے والوں کی تعداد نوعِ آدم میں کم ہے جو روحانی علوم کے حصول کی کوشش کرتے ہیں جب کہ بڑی تعداد میں لوگ مخفی علوم پر یقین نہیں رکھتے ۔ اور اگر مانتے ہیں تو ان کے حصول کو ناممکن تصور کرتے ہیں۔

درد کی شدت میں کمی آ گئی مگر کھال زخم آلود تھی۔ باطناریوں سے لڑائی آسان نہیں تھی ایسے میں جب دونوں جانب سے آگ برسائی جارہی ہو۔

ظربوق کا تعلق سلطنت اجنّہ کے پہاڑی علاقہ اموقار سے تھا۔ وہ سامنے بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بے شمار سوالات، تجسس، الجھنیں اور پریشانیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

میں نے اسے بغور دیکھا۔

جس بات نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا وہ اس کے وجود سے منسلک کچھ ایسی روشنیاں تھیں جو میں نے ملوکا کے دوست پیر کرم علی کے وجود میں دیکھی تھیں۔

کیا بات ہے ظربوق کوئی پریشانی ہے—؟

وہ خاموش تھا۔

یہ تو بتاؤ کہ انہوں نے تمہیں قید کیوں کیا؟

خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا ، یہ سب میری غلطی اور نافرمانی کا خمیازہ ہے۔

کیسی غلطی—؟

وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنے قبیلہ پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان سنائی ۔ بتایا کہ باطناری جنات آئے دن ان کے گاؤں پر یورش کر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں، ساتھ ہی مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں۔ اگر کوئی مزاحمت کرے تو

دردناک موت مارتے ہیں۔ ان کی شرر باریوں سے اموقاری اجنّہ شدیدادذیت و دہشت کا شکار تھے۔ میرے ماں باپ کوبھی مزاحمت پر انہوں نے موت کی نیند سلا دیا۔

تم کون سی غلطی اورنافرمانی کا تذکرہ کررہے تھے؟

وہ بولا، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہےاورنافرمانی بھی۔ کاش میں حضرت صاحب کی بات مان لیتا۔

خوف کی سرد لہر میرے وجود میں دور کرگئی۔

جھجکتے ہوئے ظربوق سے پوچھا، یہ حضرت صاحب کون ہیں—؟

ظربوق نے بتایا کہ حضرت صاحب اللہ کی برگزیدہ ہستی اورمیرے اتالیق ہیں۔

تمہارے حضرت صاحب اموقاریوں کو باظناریوں سے کیوں نہیں بچاتے؟

وہ پھیکی ہنسی سے بولا، اموقاری ان کی سنتے کب ہیں۔وہ اموقاریوں کو بار بار اپنا محاسبہ کرنے کا کہتے ہیں لیکن لوگوں کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

حضرت صاحب کیا کہتے ہیں؟

وہ کہتے ہیں، جوقومیں اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتیں تو اس قوم سے اللہ کی مدد ونصرت اٹھ جاتی ہے۔حضرت صاحب نے باظنار کی طرف جانے سے منع فرمایا تھااورانتظار کی ہدایت کی تھی کہ باظناریوں کا ظلم اپنی حدوں پر پہنچ چکا ہے اوراب ان کے مٹنے کا وقت قریب ہے۔مگر میں انتقام کی آگ سے بے چین تھا۔ جذبات سے مغلوب ہوکر میں ان کے علاقہ میں چلا گیا اور نافرمانی ہوگئی۔ باظناریوں کی قید میری نافرمانی کی سزا تھی۔

حضرت صاحب نے باظناریوں کی قید سے آزاد ہونے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کی—؟

ظربوق نے کہا، جس طرح تمہاری دنیا میں آگ میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا جاتا ہےاس لئے کہ ہاتھ جل جاتا ہے۔ اب اگر آگ بجھ جائے یا کوئی تمہارا ہاتھ باہر نکال لے تاہم جو حصہ آگ سے جلا ہے، وہاں تکلیف کا احساس ہوگا۔اسی طرح میں نے بھی حکم کی خلاف ورزی کی اور سزا پائی۔ اب جب کہ میں باظناریوں کی قید سے آزاد ہوگیاہوں تو اس میں حضرت صاحب کا تصرف ہے کہ تمہارا وہاں سے گزر ہوگیااورتمہارے ذریعے میری مدد ہوئی۔

حمورابی نے تعجب سے دیکھالیکن کہا کچھ نہیں۔

تم نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔

میرا نام حمورابی ہے۔

حمورابی ! میرے ساتھ حضرت صاحب کے پاس چلو۔ مجھے اپنے لوگوں میں واپس جانا ہے اور حضرت صاحب سے معافی مانگنی ہے۔وہ تمہیں ٹھیک کردیں گے ورنہ تمہارے زخموں میں بہت جلد کیڑے پڑ جائیں گے اورتم دردناک موت مروگے۔ (قسط: ۱۹)

خواب تعبیر اور مشورہ

حضور قلندر بابا اولیاؒ

ادیبہ عادل، نیو کراچی۔ لوگ جوق در جوق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے مزار کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے نہا دھو کر خوش بو لگائی اور مزار آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد امی اور بہن بھی حاضر ہو گئیں۔

تعبیر: خواب حضور قلندر بابا اولیاؒ کی عقیدت و محبت کا مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دوسری دنیا

مسز سہیل، کراچی۔ کلاس میں بیٹھی ہوں کہ کسی کام کے لئے کچھ لوگ منتخب ہوئے جس میں، میں شامل نہیں۔ سر جھکا کر اپنا کام کر رہی ہوں، استاد نے کہا، جانے کی تیاری کرو، میں سمجھی کہ دوسری دنیا سے بلاوا آیا ہے۔ کتاب کاپی بیگ میں رکھ کر ایک سہیلی سے کہتی ہوں ’’میں اللہ کے پاس جا رہی ہوں‘‘، اور کلاس سے باہر آ جاتی ہوں۔

تعبیر: خواب کے اجزائے ترکیبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والی صاحبہ روحانی قدروں سے آشنا ہیں اور مزید روحانی علوم سے واقف ہونا چاہتی ہیں۔ اس کے لئے بنیادی عمل ذہنی یک سوئی ہے۔ الحمدللہ آپ کو کافی حد تک ذہنی یک سوئی حاصل ہے۔ خوش کن بات ہے کہ آپ مراقبہ سے اس دنیا کے اس پار دنیاؤں کا تعارف حاصل کر سکتی ہیں۔ نماز روزہ کی پابندی، چلتے پھرتے وضو بے وضو یا حی یا قیوم کا ورد کیجئے اور روزانہ قرآن کریم کا ترجمہ تفکر کے ساتھ پڑھئے۔

عقیدت و محبت

سید قمر صداقت علی، لاہور۔ ایک بزرگ میرے پاس تشریف لائے اور خیریت پوچھی، میں نے زور زور سے کہنا شروع کر دیا، بابا جی آئے ہیں۔ بابا جی آئے ہیں۔

تعبیر: عقیدت پر مبنی یہ خواب آپ کا اخلاق ہے اور اللہ کے دوستوں سے محبت و عقیدت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اولیاء اللہ کی طرز فکر عطا فرمائے، آمین۔

نام و پتا اور خواب شائع نہ کریں۔ **تعبیر:** خواب جذباتی تصورات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ لاشعور نے راہ نمائی کی

ہے اس طرح کا رویہ جو دوسروں کے لئے قابل اعتراض — جس طرزِ عمل کی معاشرہ اجازت نہ دیتا ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اخلاقی قدروں کا مطلب ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے بنائے ہوئے قانون اور معاشرہ میں رائج ایسے قوانین جو مخلوق کے لئے فائدہ مند ہوں، پر مستقل مزاجی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگر رویہ قابلِ اعتماد نہ ہو تو اس طرح کے خواب نظر آتے ہیں۔

خیالات کا ہجوم

رجاء عمران، کراچی۔ دیکھا کہ امی نے میٹنگ میں شرکت کے لئے بھیجا ہے۔ میں خالہ کے گھر گئی، میٹنگ ختم ہونے پر خالہ نے کہا، چلیں مزار چلتے ہیں۔ مزار پہنچے تو صاحبِ مزار تخت پر بیٹھے تھے۔ میں بہت رو رہی ہوں اور کوشش کر رہی ہوں کہ تخت پر چڑھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ جاؤں لیکن گر جاتی ہوں۔ دعا کرتی ہوں، یا اللہ مجھے امتحان میں پاس کر دیں۔

تعبیر: خواب پریشان خیالات کی تصویر ہے۔ یوں سمجھئے کہ ذہن کسی ایک نقطہ پر نہیں ٹھہرتا۔ ایک ہجوم ہے جو ذہن کو گھیرے رہتا ہے۔ اس ہجوم میں یہ نشان دہی ہے کہ قیل و قال زیادہ ہے عمل کم ہے۔ سونے سے پہلے تین سو تیرہ (313) مرتبہ یا اولی الالباب پڑھ کر اپنے اوپر پھونک ماریئے اور بات کئے بغیر سو جائیں۔

لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○

—لاعلم—، فیصل آباد۔ مرحوم والد صاحب کو بیٹھے ہوئے دیکھا، ان کی ران میں تقریباً دو انچ چوڑا چار انچ گہرا زخم ہے، ران کی ہڈی نظر آ رہی ہے۔ میں بہت فکرمند اور پریشان ہو کر پوچھتا ہوں، کیا ہوا؟ اداس آواز میں کہتے ہیں "رسولیاں اور گلٹیاں بنتی تھیں" کچھ اور بھی کہا جو یاد نہیں رہا۔

تعبیر: ایسا لگتا ہے خواب دیکھنے والے صاحب پر مایوسی کا غلبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ (الزمر: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ رحیم و کریم اللہ ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ امیدیں روشن ہونے سے دل مطمئن رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت پر غور کیا جائے تو سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی اور رات کی تاریکی (جب کہ تاریکی بھی روشنی ہے) میں رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ انسان جب اللہ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمت سے یقین کی حد تک واقف ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر سے خوف اور غم دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ
وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○ (یونس: ۶۲)

والد مرحوم پر قرض ہے جس کی ادائیگی نہیں ہوئی، قرض میں حقوق العباد کا پورا نہ ہونا بھی ہے۔ ایصالِ ثواب کیجیے اور معلومات کے نتیجہ میں حقوق کی ادائیگی کیجیے یا معاف کرنے کی درخواست کیجیے۔ خواب کی تعبیر ماموں جان کو بھی بتا دیجیے۔

گلاب کے پھول

رخسانہ یاسمین، واہ۔ بھائی کے ساتھ مزار قلندر بابا اولیاؒ پر کھڑی ہوں۔قبر مبارک پر بہت سے ہار اور پھول ہیں۔ کچھ دیر بعد گلاب کے ہار بھائی کے گلے میں آجاتے ہیں۔دل ہی دل میں عرض کرتی ہوں، بابا جی میرے گلے میں بھی ہار ڈا لیے۔

تعبیر:حضور قلندر بابا اولیاؒ کے مزار مبارک پر حاضری میں فیض ہوا جو گلاب کے پھولوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کام یاب کرے اور آپ سلسلہ کی تعلیمات سے فیض یاب ہوں، آمین۔ اسباق کی پابندی کریں، قواعد وضوابط اور اغراض و مقاصد پر مستقل مزاجی سے عمل کریں۔

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ○

مدیحہ محسن، کراچی۔ دیکھا ایک بزرگ نے کچھ پڑھنے کے لئے بتایا لیکن یاد نہیں رہا بس یہ آیت یاد رہی **ان اللہ علی کل شی قدیر۔**

تعبیر: لاشعور نے راہ نمائی کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفران نعمت ہے اپنی زندگی پر غور کرنے سے دھوپ کی طرح مظاہرہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں بندہ کسی بھی طرح شکر ادا کرنے کا حق پورا نہیں کرسکتا۔

غور تو کیجیے، دماغ، آنکھیں، ناک، کھانے کے لئے منہ، دانت، حلق، معدہ، زندگی کو مسلسل حرکت میں رکھنے کے لئے دل اور ظاہر اور چھپے ہوئے تمام اعضا بندہ کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔

عمرہ کی بشارت

فائزہ، لانڈھی۔ دیکھا میرے ساتھ کوئی عورت سو رہی ہے۔ میں اٹھی تو وہ بیٹھ گئی اور بولی، سوجاؤ صبح اٹھنا۔ وہ میرے آس پاس انڈے رکھ رہی ہے۔ پھر دیکھا کچھ سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوں، وہاں سات یا آٹھ عورتیں احرام میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ نعت سنانے کی فرمائش کرتی ہیں۔کوئی بزرگ تشریف لا کر فرماتے ہیں، انشاءاللہ تم مدینہ جاؤ گی۔

تعبیر: خواب منتشر خیالات کی فلم ہے۔اس فلم میں ایسے نقوش بھی ہیں جو مایوسی اور بیماری کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضور پاکؐ کی محبت میں نعتیں پڑھنے کی توفیق دی ہے یہ بہت مبارک بات ہے۔شادی میں تاخیر کی کئی وجوہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتن درستی کے ساتھ عمرہ کی سعادت عطا فرمائیں۔آمین۔

چمنستان۔گھر

نسرین منہاس، چنیوٹ۔مٹی کے کمرے میں دیا جل رہا ہے۔ابا جی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھی ہوں۔ ایک بزرگ نظر آئے جو دیوار میں بنے چوکور خانہ کے اندر پرچی رکھ کر فرماتے ہیں اب ایسا نہیں ہوگا۔ بزرگ مزید فرماتے ہیں، کیا کرنا چاہتی ہو۔ میں عرض کرتی ہوں

کمپوزنگ۔ پھر دیکھا کسی ساحل پر ہوں، وہاں بزرگ جا رہے ہیں اور بحری جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے جاتے ہیں۔ میں بھی جہاز پر چڑھ جاتی ہوں وہاں میں نے جوتے پہنے، وہ جوتے دنیا سے نرالے تھے۔

تعبیر: آپ کو روحانی علوم کا ذوق ہے لیکن وقت کی پابندی نہ ہونے کی وجہ سے پہلی کلاس کے تقاضے پورے نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں، ہر سلیقہ مند آدمی لباس کی حفاظت کرتا ہے اور خود کو صاف ستھرا رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو لوگ غصہ نہیں کرتے اور معاف کر دیتے ہیں اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ شوہر کے ساتھ بیوی کا رویہ اور بیوی کے ساتھ شوہر کا رویہ اچھا ہوتا ہے تو گھر کی فضا چمن زار ہو جاتی ہے۔

نظام الاوقات

نبیلہ رفیق، شاہ لطیف ٹاؤن۔ تقریباً 11-10 سال سے ایک جیسے خواب دیکھ رہی ہوں کہ میرے جوتے گم ہو گئے ہیں۔ کہیں جا رہی ہوں، جوتے نہیں مل رہے یا گھر واپس آ رہی ہوں تو جوتے نہیں ملتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے، جوتے ڈھونڈتے ہوئے کسی گہرے کھڈ میں گر جاتی ہوں اور جھٹکے سے آنکھ کھل جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ خواب کچھ ہو، جوتے گم ہونا لازمی ہے۔

تعبیر: آپ کا وقت غیر ضروری باتوں میں ضائع ہوتا ہے۔ وقت کی قدر کیجیے، گیا وقت ہاتھ آتا نہیں۔ نظام الاوقات کاغذ پر لکھیے، ہر آدمی کے پاس 24 گھنٹے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں کو تین پر تقسیم کر دیجیے۔ رات کے وقت آٹھ گھنٹے میں پانچ گھنٹے سونے کے لئے اور تین گھنٹے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نوافل کے لئے، آٹھ گھنٹے بیوی بچوں کے حقوق پورے کرنے و گھرداری کے لئے اور آٹھ گھنٹے معاش کے لئے۔

13، 14، 15

آمنہ رفیق، ماڈل کالونی۔ باغ میں ایک بزرگ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے کام کروا رہے ہیں۔ جگہ جگہ چوکور شکل میں کھدائی ہوئی ہے جہاں سے کچھ نوجوان درختوں کو جڑوں سے نکال رہے ہیں اور مشین کے ذریعے گہرائی تک جڑیں نکال دی جاتی ہیں۔ نکالے جانے والے درختوں کے رنگ سفید، تنے چکنے اور شاخیں موجود ہیں۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو میں سفید شال پہنے بزرگ کے پاس جا کر عرض کرتی ہوں، بابا جی یہ درخت؟ بزرگ فرماتے ہیں، یہاں مسالا ڈالا جائے گا اور تعمیر ہوگی۔ پھر دیکھا تھوڑی دور بیٹھی ہوں اور بزرگ نے گہرے سرمئی رنگ کا ڈیزائن والا چست سوئٹر پہنا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں، پتہ نہیں کیوں لوگ سستی خوش بو لگاتے ہیں؟

تعبیر: خواب کے نقوش اپنے پیر و مرشد سے عقیدت ظاہر کرتے ہیں۔ سستی خوش بو دیکھنا اس طرف اشارہ ہے

کہ اسباق میں خیالات کی دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ مکمل ذہنی یک سوئی نہ ہونا ہے۔ آپ کو بتایا گیاہے کہ اسباق میں ناغہ نہ ہو۔ چلتے پھرتے وضو بے وضویاحی یا قیوم کاورد کریں۔ اچھاہے کہ چاند کے مہینہ کی 13، 14، 15 کوروزے رکھیں۔ سحری اور افطار میں بہت ہلکی غذا کھائیں۔ انشاءاللہ فضل ہوگا۔

ساس بہو

نام شائع نہ کیا جائے، سرجانی۔ دیکھا کسی نے مجھے اوپر اٹھایا ہوا ہے اور ادھر ادھر ہلا رہا ہے۔ میں ڈر کے مارے بچاؤ بچاؤ چیخ رہی ہوں مگر کوئی مدد نہیں کر رہا جب کہ ساس قریب کھڑی ہیں۔ پھر دیکھا ساس صاحبہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی ہیں اور اپنے آپ کو نوچ رہی ہیں۔

تعبیر: خواب اختلافی مسائل پر پھیلا ہوا ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ساس بہو کو بیٹی کا درجہ نہیں دیتی اور بہو ساس کو ماں کا درجہ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے دونوں میں اختلاف رہتا ہے۔ شادی کے بعد بیٹا بیگم کی بات زیادہ سنتا ہے، ماں کی بات نظرانداز ہوسکتی ہے۔ بیٹے کے اس عمل سے ساس و بہو حریف بن جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ میرے خیال میں اماں حوا اور بیٹے سے شروع ہوا اور آج کی اماں حوا اور آج کے بیٹے کے درمیان موجود ہے۔ بیوی سمجھتی ہے کہ میں نے شوہر کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا، ماں باپ بھی دور ہوگئے۔ ساس کہتی ہے کہ بہو

ماہنامہ قلندر شعور جنوری 2017

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:............................ والدہ صاحبہ کا نام:..

پورا پتہ:..

ازدواجی حیثیت:.......................... وزن (تقریباً):............ آنکھوں کا رنگ..........................

نیند کیسی آتی ہے:............... بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):............... تاریخ پیدائش:...........................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.............................. فون نمبر.............................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات :..

....

نے بیٹے پر قبضہ کرلیا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو ہزاروں سال سے جاری ہے اور جاری رہے گا کیونکہ بہو اپنا گھر الگ چاہتی ہے جس طرح جب ساس بہو بنی تھی ، نے چاہا تھا۔ ساس اس لئے ناراض ہے کہ بیٹے کی ساری توجہ بیوی کی طرف ہوگئی جب کہ بیٹا میرا ہے۔ عجیب بات یہ ہے بیٹے کے انکار کے باوجود ماں شادی کے لئے بیٹے سے زیادہ بےقرار ہوتی ہے۔ نوچنا کھسوٹنا، چیخنا، پاگلوں والی حرکت کرنا یہ سب ساس بہو کے معاملات کی فلم ہے جو بہو نے دیکھ لی ہے۔

گھر کا نہ گھاٹ کا

نام شائع نہ کریں، ٹنڈو محمد خان۔ کالا آدمی، مجھے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کچھ کہتا ہے، کیا کہتا ہے سمجھ میں نہیں آتا، میں وہاں سے بھاگ جاتا ہوں۔ وہ شخص بھی میرے پیچھے بھاگتا ہے لیکن میں اس کے ہاتھ نہیں آتا۔

تعبیر: ذہن میں منفی خیالات کا ہجوم ہے۔ اعمال میں ایسے عمل بھی ہیں ضمیر جن کی ملامت کرتا ہے۔ آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن آپ کوتاہی اور غلطیوں کو اہمیت نہیں دیتے اگر آپ نے اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا خدانخواستہ ـــــ؟ مشورہ یہ ہے کہ آپ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے نماز کی پابندی کریں اور اپنے مزاج میں ٹھہراؤ پیدا کریں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو ـــــ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔

بندر کے سفر کی روداد

ایک بندر آدمیوں کی آبادی میں نکل آیا اور وہاں رہنے والوں کی بودوباش دیکھی۔ کچھ عرصہ قیام کیا اور پھر اپنے گھر کی راہ لی۔ اپنی برادری میں پہنچا تو جنگل کے سارے بندروں نے اس سے کہا کہ آدمیوں کی آبادی میں اتنا وقت گزار آئے، کچھ ہمیں بھی روداد سناؤ کہ وہاں زندگی کیسی ہے اور لوگ کیا کرتے ہیں۔ شہر سے سے آنے والے بندر نے روداد سنائی۔

میں نے وہاں عجیب جانور دیکھا۔ اس کے بیوی اور بچے بھی تھے۔۔ وہ صبح روزی کی تلاش میں نکلتا اور رات کو واپس آتا مگر جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا اس کی بیگم خوخو کرتی ہوئی اس کے پیچھے پڑ جاتی اور جھگڑتی رہتی۔ صبح کو وہ جانور پھر چلا جاتا اور رات کو لوٹ آتا۔ اس کی بیگم پھر اس کے پیچھے پڑ جاتی۔ دوسرے بندروں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پوچھا ـــــ کیا اس کی بیگم نے اس کے گلے میں رسی ڈال رکھی تھی جو وہ روزانہ کے لڑائی جھگڑے کے باوجود رات کو واپس آجاتا تھا؟

کہا، نہیں اس کے پاؤں میں کوئی رسی نہیں ہوتی تھی، بس خود ہی واپس آجاتا تھا!

چشمۂ حیات (Life Stream)

ایک مکتوب گرامی میں ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

مفہوم: ''یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی عطا کرتی ہے جو اپنے
اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔'' (البقرۃ)

غیب سے مراد وہ حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں جب کہ وہ اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے۔ ذوق کے معنی دل چسپی کے ساتھ کسی چیز کو ڈھونڈنا ہے۔ ذوق وہ عادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ صرف اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔

متقی سے وہ انسان مراد ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا۔ وہ اللہ کے معاملہ میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔

صحیح طور سے پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ذوق موجود ہے۔

یہ نہ سمجھ لینا کہ ہر انسان کے اندر یہ ذوق موجود نہیں ہے۔ درحقیقت وہی ذوق لائف اسٹریم (چشمۂ حیات) ہے اور زندگی کی بنا ہے۔ انسان اس کو استعمال کرے یا نہ کرے یہ اس کی اپنی مرضی اور مصلحت ہے۔ یہ ذوق ہی انسان کے اندر بستا ہے ورنہ انسان خلا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''میں نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا ہے۔'' (الرحمٰن:۱۴)

یہاں مٹی کی نیچر (فطرت) بیان کی ہے جو خلا ہے۔

اب یہ بات تمہارے لئے سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے، نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی

ii

يحتاج للعين ليرى ولا للأذن ليسمع؛ فكل هذه خرافات بثها الإنسان واخترعها ودق بنفسه طبول كونه مجبور.

قد تفكرون في كل من عرف الله وأنهم ليسوا أحرارًا من كل شيء، وأن عليهم أن يكونوا أحرارًا في كل شيء. في الحقيقة إنهم أحرار إلا أنهم مرتبطين بحبل مجتمع النوع الإنساني، وفي كل عصر كان هذا هو الضعف الذي قيد حريتهم.

إن من كان اسمه زيدًا كان نمط وطراز(Pattern) ذلك الذوق.فليس طرازًا لقفص ساكت صامت إنما هو إنسان ينطق ويسير ويأكل ويشرب ويفكر،ويخطو من الأرض إلى العرش.

ويعني له ثقب الإبرة أو فضاء السماء أو البعد بين نجم وآخر جميعها شيئًا واحدًا له،فلا يقف في محل ولا يضل ، لكن للأسف إنه لا يعرف نفسه ولا ماهية الكون.

النور الذي ينتشر في الكون كله تكون به كل الإطلاعات(المعلومات) التي تصل إلى ذرة ذرة في الكون. وفي هذه الإطلاعات يوجد التذوق، الشم، السمع، الإبصار، الإحساس، الإهتمام، الوهم والظن وغيرها فجميع أقسام وكل حركات وكيفيات الحياة موجودة بكامل نمطها فيها. والطريقة الوحيدة لتلقيها واستلامها بالطريقة الصحيحة أن يكون الإنسان في كل نمط وكل معاملة وكل حالة متوكلًا على الله ، مجتهدًاإلى أقصى حد تاركًا النتائج على الله.

ومن عظيم إحسان الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم على النوع الإنساني أن كشف هذه الأسرار، ولا يعني ذلك أنه قد اكتشف هذه الأسرار جميعها إنما فتحها الله عليه وسجلها كما نزلت عليه على صورة القرآن الكريم، كما وتحمل معاناة الحياة ووهب الأمانة للنوع الإنساني. وتقدير النوع الإنساني للأمانة أمر ظاهر للعيان.

وقد سمى الله هذا العلم بعلم الكتاب ويمكن لكل إنسان أيًا كان اسمه زيدًا أو بكرًا أو عمرًا الانتفاع به.

❁ ❁ ❁

چشمۂ حیات

یک کتاب گرامی کہ در این ابدال حق قلندر بابا اولیا (رح) میفر ماید:

در سورۃ بقرہ در آیات ابتدائی خداوند (ج) چنین فرمودہ است

مفھوم: ''این کتاب برای کسانی روشنی میبخشد کہ او در وجودِ خود در بارۂ

اللہ تعالیٰ ذوق دارد۔'' (البقرۃ)

مراد از غیب حقائق است چیز یکہ از مشاھدات انسان بیرون است بلکہ این ھمہ با معرفت از اللہ تعالیٰ تعلق دارد۔ مراد از ایمان ذوق است ،معنیِ ذوق با دلچسپی یک چیزی را تلاش کردن است ۔ ذوق او عادت است کہ انسان در تلاش وی سرگرداں می باشد بلکہ نہ بخاطری اینکہ برایش کسی معاوضہ بدھد بلکہ صرف بہ این خاطر کہ تقاضا ی طبیعت را پورہ سازد۔

مراد از متقی بودن انسان آنست کسیکہ در فھمیدن از بسیار احتیاط کار میگیر د و بہ بدگمانی راہ نمید ھد و در معاملات اللہ تعالیٰ (ج) بسیار محتاط میباشد کہ ہیچ شکل کائنات برای اینوع انسان فریب دادہ نمی تواند، او اللہ تعالیٰ (ج) را از نظر جداگانہ نگاہ می کند و کارھای اللہ تعالیٰ (ج) را ھم از نظر جداگانہ نگاہ می کند۔

بطور صحیح شناختنش بہ این معنی است کہ در داخلش ذوق موجود است۔

ھیچگاہ فکر نکنید کہ در داخل تمام انسانھا ذوق موجود نیست۔ در حقیقت ہمان چشمۂ حیات است و بنای زندہ گی است ،اگر انسان او را استعمال کند یا نہ کند پس بہ این خواست و مصلحت اوست این بہ ذوق انسان وابستہ گی دارد اما انسان بدون آن تنھاست در قرآن کریم روایت است کہ:

''ما انسانھا را از خاک آفریدیم''۔ (سورۃ الرحمٰن ۱۴)

در اینجا خاصیت نیچر (خاک) را چنین طور بیان کردہ است کہ تنھائی است۔

پس درک کردن این سخن برای شما بسیار آسان است کہ ذوق کدام وزن ندارد، و برای او فاصلہ ہیچ معنیٰ نہ دارد،

ii

ونہ ذوق پابند حدود زمین و آسمان است ، ونہ وقت آنرا پابند ساختہ میتواند وھمین ذوق است کہ گشت و گزار میکندا این سخن ضروری است کہ انسان تا آخر وقت متعارف بودہ نمی تواند تا وقتیکہ ازاین تعارف حاصل نکند ، وقتیکہ تعارف حاصل کند پس آن آشکار می شود کہ ہمیں ذوق انسان است پس در تمام کاینات آنھا آزاد ہستند و سر براھان فرشتگان نیز ھستند ، بھترین صنعتِ خداوند (ج) بودہ پس در کاینات نائب خداوند (ج) ھستند ونہ قادر رفتن بہ پاھا و گرفتن از دستان است ونہ محتاج شنیدن و دیدن است واین تمام خرافات را انسانھا ازخود ایجاد کردہ است وخودشان بی سروسامان گشت و گزار می کنند و می گویند کہ ما بسیار مجبور ہستیم ۔

وشما دراین فکر ھستید کہ چقدر انسانھا ازخداوند (ج) تعارف حاصل کردہ است وبھر صورت آنھا آزادنیستند و در تمام معاملات آزاد بودن آنھا مھم است ۔ این صحیح است کہ آنھا آزاد ہستند مگر آنھا وابستہ بہ یک معاشرہ نوع انسانی است درھر زمان ہمین کمبودی انسانھا راز آزاد بودن محروم کردہ است ۔

آن کہ اسم اوزید است اوطریق این ذوق است ۔ ھیچ طرز وطریق پنجرہ چپ وخاموش نیست بلکہ این سخن میگوید، گشت وگزار میکند، میخورد و می نوشد، فکر کردہ و درک می کند پس این یک انسان است ازفرش تا عرش صرف یک قدم دارد ۔

روزن سوزن است وفضائی آزاد آسمانھا است، از یک ستارہ بہ ستارۂ دیگر فاصلہ است برای این یک معنیٰ دارد و او در ھیچا ایستادہ نمی شود، نہ او گمراہ می شود ۔ افسوس اینست کہ اوخود را نمی شناسد و می گوید من چی ہستم و کاینات چیست ۔

آن نوریکہ در تمام کاینات بخش می شود، در بین این ھر قسم اطلاعات وجوددار کہ بہ ذرہ ذرۂ کاینات میرسد دراین اطلاعات چشیدن، بوی کردن، شنیدن، دیدن، حس نمودن، خیال کردن، وھم وگمان وغیرہ وغیرہ ۔۔ درھر شعبۂ زندہ گی ھر حرکت وھر کیفیت ہمراہ باطرایق وطرایز موجود ہستند ۔ این رابہ حالت صحیح وصول کردن صرف بہ یک طریق است کہ انسان درھر طریق در تمام معاملۂ خود بہ اللہ تعالیٰ یقین باور و توکل داشتہ باشد، کوشش وسعی نماید ونتیجہ اش بہ اللہ (ج) بگذارد ۔

حضرت محمد (ص) بالای تمام نوع انسانی احسان بزرگ خودرا عطاء کردہ است کہ اینھا تمام راز ھارا پنھان نگھداشتند ۔ این فکر نکنید کہ تمام راز ھارا ازخود منکشف نمودہ است بلکہ اللہ تعالیٰ (ج) تمام مخلوق را در سورۃ قرآن کریم بیان نمودہ است کہ اینھا تمام عمر زحمات بسیار زیاد را تحمل نمودہ پس این امانت را بہ نوع انسانی حوالہ نمودہ است ۔ انسانھا برایش کدام ارزشی کہ دادہ است او آشکار است ۔

پس اللہ تعالیٰ بہ این علم را (علم کتاب) میفرماید ھر شخص ازاین فایدہ گرفتہ می تواند گرچہ اسم اوزید، بکر و یا عمر باشد ۔

حيا تئ جو چشمو

هڪ لکيل خط ۾ ابدال حق قلندر بابا اولياءؒ فرمائين ٿا .

سورت البقره جي شروعاتي آيتن ۾ الله تعالي جو ارشاد آهي،

ترجمو . هي ڪتاب انهن ماڻهن کي روشني عطا ڪري ٿو،جي پنهنجي اندر ۾ الله جو ذوق رکن ٿا. (البقره)

غيب مان مراد اهي حقيقتون آهن، جيڪي انسان جي مشاهدي کان ٻاهر آهن. جڏهن ته اهي الله جي معرفت سان تعلق رکن ٿيو. ايمان جو مطلب ذوق آهي. ذوق جي معني دلچسپئ سان ڪنهن شئ کي ڳولڻو آهي.ذوق اها عادت آهي ، جا ڳولا ۾ رڌل رهندي آهي، ان لاء نه ته هن کي ڪو معاوضو ملندو ، پر ،صرف هن لاء ته طبيعت جو تقاضو پورو ڪري .

متقئ مان مراد اهو انسان آهي جو سمجهڻ ۾ تمام احتياط کان ڪم وٺي، ان سان گڏ بد گمانئ کي رستو نه ٿو ڏئي. هو الله جي معاملي ۾ ايترو محتاط هوندو آهي جو ڪائنات جو ڪوبه روپ هن کي ڌوڪو نه ٿو ڏيئي سگهي هو الله کي بلڪل الڳ طرح سا ن سڃاڻندو آهي ۽ الله جي ڪمن کي بلڪل مختلف طريقي سان ڄاڻندو آهي.

صحيح طرح سان سڃاڻڻ جو سبب اهو آهي ته هن جي اندر ۾ ذوق موجود آهي .

اهو نه سمجهجان ته هر انسان جي اندر اهو ذوق موجود ڪونهي در حقيقت اهو ئي ذوق حياتئ جو چشمو آهي ۽ زندگئ جو بنياد آهي، انسان انهئ کي استعمال ڪري يا نه ڪري، اها هن جي پنهنجي مرضي ۽ مصلحت آهي. اهو ذوق ئي انسان جي اندر وسندو آهي نه ته انسان خلا آهي. قرآن ڪريم ۾ ارشاد آهي،

مون انسان کي وڇندڙ مٽئ مان پيدا ڪيو آهي. (الرحمان)

هتي مٽئ جي فطرت بيان ٿيل آهي جا خلا آهي.

هاڻي اها ڳالھ تنهنجي لاء سمجهڻ تمام آسان آهي ته ذوق ۾ نه وزن هوندو آهي نه ذوق جي لاء مفاصلو ڪابه معني رکي ٿو، نه ئي وري ذوق زمين ۽ آسمان جي حدن جو پابند آهي ۽ نه ئي وقت پابند ٿاهي سگهي ٿو. اهو ذوق هلندو ڦرندو آهي. اها ڳالھ ضرور آهي ته انسان ان کان ايستائين متعارف نه ٿو ٿئي، جيستائين ان کان تعارف حاصل نه ڪري وٺي، جڏهن تعارف حاصل ڪري وٺي ٿو ته هن کي معلوم ٿي ويندو آهي ته اهو ئي ذوق انسان آهي. هي پوري ڪائنات ۾ آزاد آهي.ملائڪن جو اڳواڻ

آهي ،الله جي بهترين صنعت آهي ۽ ڪائنات ۾ الله جو نائب آهي . هو نه پيرن سان هلڻ ۽ نه هٿن سان جهلڻ جو پابند آهي، نه هو اکين سان ڏسڻ ۽ ڪنن ڪان ٻڌڻ جو محتاج آهي. اهي سپيئي خرابيون انسان جون پنهنجيون پيدا ڪيل آهن ۽ پاڻ ئي دهل وڄائيندو رهي ٿو ته هاء آئون ته بلڪل مجبور آهيان.

تون اهو سوچيندين ته ڪيترائي ماڻهو جي الله تعالي ڪان تعارف حاصل ڪري سگهيا، اهي ته بهرحال آزاد نه آهن. انهن کي هر معاملي ۾ آزاد هجڻ کپي. اهو صحيح آهي ته هو آزاد آهن پر انهئ سان گڏ هو انساني سماج جي رسئ ۾ ٻڌل آهن، هر دور ۾ انهئ ڪمزورئ ئي اهڙن ماڻهن جي آزادئ کي اٽپورو رکيو آهي.

جنهن جو نالو زيد آهي، اهو انهئ ذوق جو نمونو آهي. ڪوبه نمونو ساڪت ۽ صامت پنجرو نه پر ڳالهائيندڙ، هلندڙ،ڦرندڙ،ڪائيندڙ، پيئندڙ،سوچيندڙ ۽ سمجهندڙ انسان آهي. فرش ڪان عرش تائين هن جو هڪ قدم آهي.

سوئ جو پاکو ۽ آسمانن جي کليل فضا، هڪ تاري ڪان ٻئي تاري تائين جو مفاصلو هن لاء هڪ ئي معني رکن ٿا. هو نه ڪٿي بيهي ٿو،نه ڀٽڪي ٿو، افسوس اهو آهي ته هوپاڻ کي ڄاڻي نه ٿو ته آئون ڇا آهيان؟ ۽ ڪائنات ڇا آهي؟

جيڪو نور پوري ڪائنات ۾ پکڙجي ٿو انهئ ۾ هر قسم جا اطلاع آهن، جيڪي ڪائنات جي ذري ذري کي ملن ٿا. انهن اطلاعن ۾ چکڻ، سنگهڻ،ٻڌڻ،ڏسڻ، محسوس ڪرڻ،خيال ڪرڻ، وهم ۽ گمان وغيره وغيره . زندگئ جو هر شعبو، هر حرڪت، هر ڪيفيت ڪامل نمونن سان موجود هوندي آهي. انهن کي صحيح حالت ۾ وصول ڪرڻ جو طريقو صرف هڪ آهي. انسان هر نموني ۾ ، هر حالت ۾ ، هر معاملي ۾ الله تي ڀروسو رکندو هجي. ڪوشش ڀرپور ڪئي وڃي پر نتيجو الله تي ڇڏڻ گهرجي.

حضور عليه الصلواه والسلام جو اسان انسانن تي اهو سڀ ڪان وڏو احسان آهي ته پاڻ انهن سڀني رازن کي کولي ڇڏيو اهو نه سمجهجان ته اهي سڀ راز پاڻ ازخود کولي ڇڏيا هئا. پر انهن تي الله کوليا،جن کي من و عن پاڻ قرآن ڪريم جي صورت ۾ رڪارڊ ڪرايو. پاڻ پنهنجي سڄي زندگئ جي جفاڪشي سهي،انهئ امانت کي انسانن جي حوالي ڪيو.انسانن انهئ جو جيڪو قدر ڪيو آهي ، اهو ظاهر آهي.

الله انهئ ئي علم کي ڪتاب جو علم فرمايو آهي.هر انسان انهئ مان فائدو وٺي سگهي ٿو،چاهي هن جو نالو زيد هجي، بڪر هجي يا عمر هجي.

❁ ❁ ❁

د ژوند چینه

په یو لیکلی شوی خط کښې ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ فرمائیلی دی.

د سورة البقرة په وړومبنو آیاتونو کښې د الله تعالیٰ ارشاد دے.

مطلب: ”دا کتاب هغه خلقو ته رنړا عطا کوی چې
خپل دننه د الله په باره کښې ذوق لری“. (البقرة)

د غیب نه مراد هغه حقیقتونه دی چې د انسان د لیدلو نه باهر دی. حالانکه هغه د الله د پیژندګلو سره تعلق لری. د ایمان نه مراد ذوق دے.د ذوق معنیٰ دلچسپئ سره یو څیز لټول دی. ذوق هغه عادت دے کوم چې د یو څیز په لټون کښې سرګردانه اوخیږی. د دې دپاره نه چې هغه ته به څۀ عوض ملاؤ شی. بلکه صرف دې دپاره چې د طبیعت تقاضه پوره کړی.

د پرهیزګار نه مراد هغه انسان دے چې هغه په پوهېدلو کښې د ډېر لوی احتیاط نه کار اخلی. د دې سره سره بدګمانئ ته لار نه ورکوی. هغه د الله په معامله کښې دومره محتاط اوخیږی چې د کائناتو یو شکل و صورت هغه له دهوکه نه شی ورکولے. هغه الله پاك په جدا انداز کښې پیژنی. او د الله کارونه په جدا طریقه پیژنی.

په صحیح طریقه د پیژندګلو وجه دا ده چې د هغه دننه ذوق موجود دے.

دا مه ګنړئ چې هر انسان کښې دننه دا ذوق موجود نۀ دے. په حقیقت کښې هم د هغه ذوق د ژوند چینه ده. او د ژوند بنا ده. انسان که دا استعماله وی او که نۀ دا د هغه خپله مرضی او مصلحت دے. هم دا ذوق انسان کښې دننه اوخیږی ورنه انسان خلا ده.قرآن کریم کښې ارشاد دے.

” ما انسان د اُوچې ختې نه جوړ کړے دے. “ (الرحمن: ١٤)

دلته ئې د خاورې فطرت بیان کړے دے. کومه چې خلا ده.

اوس په دې خبره باندې تاله پوهېدل ډېر آسان دی. چې په ذوق کښې نه وزن وی. او نه د ذوق دپاره فاصله څه معنیٰ لری. نه ذوق د زمکې او آسمانونو د حدونو پابند دے. او نه وخت هغه پابند کولے شی. هم دا ذوق ګرځی راګرځی.

دا خبره ضرور ده چې انسان د دې نه تر هغه وخته پورې متعارفه کېدے نه شی تر څو پورې چې هغه د دې تعارف حاصل نه کړی. کله چې تعارف حاصل کړی نو هغه ته معلومه شی چې هم دا ذوق انسان دے. دا په ټولو کائناتو کښې آزاد دے. د فرشتو سربراه دے د الله بهترین کاریګری ده. او

ii

په کائناتو کښې د الله خلیفه دے. نه هغه په خپو د تللو او په لاسونو د نیولو پابند دے. نه هغه سترګو سره د لیدلو او غوږونو سره د اورېدلو محتاجه دے.

دا ټول خرافات انسان په خپله پېدا کړی دی. او په خپله ډهول غږوی چې هائے زهٔ خو بالکل مجبوره یم.

ته به دا فکر کوے چې څومره سړو چې د الله تعالیٰ تعارف حاصل کړے شو نو هغه په هر صورت آزاد نه دی. هغوی له په هره معامله کښې آزاد اوښېدل پکار دی. دا ټهیك ده چې هغوی آزاد دی مګر د دې سره هغه د نوع انسانی په رسئ کښې تړلے شوی دی. په هر دور کښې هم دې کمزورئی د داسې خلقو آزادی نیمګړے ساتلې ده.

د کوم نوم چې زېد دے هغه هم د دوی ذوق پېټرن (طرز) دے یو پېټرن هم بې حرکته او خاموشه پنجره نهٔ ده. بلکې خبرې کوونکے، ګرځېدونکے راګرځېدونکے، خوړونکے، څکونکے، فکرکونکے پوهه انسان دے. فرش نه عرشه پورې د هغه یو قدم دے.

د ستنې سورے او د آسمانونو فراخه فضا، د یو ستوری نه بل ستوری پورې فاصله د هغه دپاره یو معنیٰ لری. نه هغه چرته اودرېږی نه ترې لار غلطېږی.افسوس دا دے چې هغه ځان نهٔ پېژنی چې زهٔ څه یم او کائنات څه څیز دے.

کوم نور چې ټولو کائناتو کښې خورېږی په هغې کښې هر قسمه اطلاعات وی. چې د کائناتو ذرې ذرې ته ملاوېږی. په دې اطلاعاتو کښې څکل، بویول، اورېدل، لیدل، محسوسول، خیال کول، وهم و ګمان وغېره وغېره د ژوند هره شعبه هر حرکت هر کیفیت کاملو طرزونو سره موجود وی. د دې په صحیح حالت کښې د وصولو طریقه صرف یوه ده. انسان په هر طرز کښې، هر معامله کښې په هر حالت کښې په الله باندې بهروسه لری. کوشش دې پوره کړے چې نتیجه دې په الله پرېښودلے شی.

د حضور علیه الصلوٰة والسلام په نوع انسانی دا د ټولو نه لوی احسان دے چې هغوی ټول رازونه رابرخیره کړل. دا مه ګنړه چې دا رازونه هغوی په خپله رابښکاره کړل بلکې په هغوی باندې الله راکولاؤ کړل کوم چې هغوی من وعن د قرآن په صورت کښې ریکارډ کړل. هغوی د ټول ژوند سختئ برداشت کړې او دا امانت ئې نوع انسان ته حواله کړو. نوع انسان چې کوم قدر کړے دے هغه ښکاره دے.

الله هم دې علم ته د کتاب علم فرمائیلے دے. هر انسان د دې نه فائده اوچتولے شی که د هغه نوم زید وی که بکر وی او یا که عمر وی.

❁ ❁ ❁

زندگی دا بہاؤ

اِک خط وچ حضور قلندر بابا اولیاؒ آکھدے نیں:

سورۃ بقرۃ دی شروع دی آئیتاں وچ اللہ دا فرمان اے،

سمجھ: ''ایہہ کتاب اونہاں لوکاں نوں چانن دیندی اے جیہڑے اپنے

اندر اللہ دا ذوق (ایمان) رکھدے نیں۔'' (البقرۃ)

غیب (بھید) توں مراد اوہ سچائیاں نیں جیہڑ یاں انسان دی ویکھ پرکھ (مشاہدات) توں باہر نیں۔ ذوق دا مطلب شوق نال کسے شے نوں لبھنا اے۔ ذوق ایہو جئی عادت وے جیہڑی تلاش وچ لگی رہندی اے۔ ایس لئی نئیں کہ کوئی صلہ یا پیسہ ملے گا بلکہ ایس لئی کہ طبیعت دی طلب نوں پورا کرے۔

پرہیز گار توں مراد او بندہ اے جیہڑا سوچ سمجھ نال کم لیندا اے۔ تے شک تے غلط فہمی نوں راہ نئیں دیندا۔ او اللہ دے معاملے وچ انہا چیتار رکھدا اے کے سنسار دا کوئی روپ دھوکا نئیں دے سکدا۔ او اللہ نوں وکھ پچھاندا تے اللہ دے کماں کاراں نوں وکھ پچھاندا۔

اللہ نوں چنگے طریقے نال پچھان دی وجہ اے کہ اوس دے اندر ذوق موجود اے۔

ایہہ نہ جاننا کہ ہر بندے دے اندر ایہہ ذوق موجود نئیں۔ سچی گل اے کہ اے ذوق حیاتی دی نہیر اے، بندہ اینھوں ورتے یا نہ ورتے، ایہہ اوہدی مرضی تے سوچ اے۔ ایہہ ذوق بندے دے اندر وسدا اے نئیں تے او لکھ وی نئیں۔ قرآن کریم وچ فرمان اے:

''میں بندے نوں وجنی مٹی نال بنایا''۔ (الرحمٰن:۱۴)

ایتھے مٹی اصل اے جیہڑی خلاء اے

ہن اے گل سمجھنا بڑا اسان اے کہ ذوق دا بھار ہوندا اے نہ فاصلہ رکھدا اے۔ ذوق زمین اسمان دا پابند وی نئیں نہ پابند کر سکدا اے ایہہ ذوق ٹُر دا پھر دا اے۔ ایہہ گل ضروری اے بندہ ایس نال اوہدوں تک واقف نئیں ہوندا

جدتک آپ پچھان نہ کرے۔ جدوں پچھان لیندا اے تے پتہ چلدا اے ذوق بندا اے۔ ایہہ پورے جگ سنسار وچ آزاد اے، فرشتیاں دا وڈا اے۔ اللہ دی کاریگری تے اللہ دا نائب اے نہ او پیراں تے ہتھاں نال پھڑنے دا، نہ اکھیاں نال ویکھن تکن نے کناں نال سنن دا محتاج اے، ایہہ ساریاں، پیریاں گلاں او۔ آپ پیدا کیتیاں تے ہن آپ ای ڈھول وجاندا پھردا اے کہ میں مجبور لا چار آں۔

تسی سوچو گے کہ کنے بندے جیہڑے اللہ نال پچھان کرسکے اوہ تے بہر حال آزاد نئیں۔ اونہاں نوں ہر معاملے وچ آزاد ہونا چاہیدا۔ اے ٹھیک اے کہ او آزاد نئیں پر اولوکائی دے شریکے دی رسی نال بنھے ہوئے نیں۔ ہر ویلے ایس کم زوری نے آزادی نوں گھٹ رکھیا۔

جس داناں زید اے اوہ ایس ذوق دا نمونہ اے، کوئی نمونہ بغیر کسے ہل جل توں کوئی پنجر نئیں بلکہ چلدا پھردا۔ سوچدا سمجھدا بندہ اے، فرشاں تو عرشاں تک اوہدا اک قدم اے۔

سوئی دا سوراخ تے اسماناں دی کھلی فضا اک تارے توں دوجے تارے دا رستہ اوس واسطے اک ای مطلب رکھدا اے۔ اوہ نہ کدھرے رُکدا اے تے رڑھدا اے۔

افسوس دی گل اے کہ او آپ نئیں جاندا کہ او کیہہ اے؟ تے جگ سنسار کیہہ اے؟

جیہڑا چانن پورے سنسار وچ پھیلدا اے ایس وچ ہر قسم دی خبراں ہوندیاں نیں، جیہڑیاں سنسار دے ہر ذرے نوں ملدیاں نیں، اینھاں خبراں وچ چکھنا، سنگھنا، ویکھنا، محسوس کرنا، سوچ وہم، شک وغیرہ ــ تے حیاتی دے ہر حصے، ہر کرتوت، ہر کیفیت پوری طرز تے رمز نال موجود ہوندی اے۔ اینھاں نوں چنگے طریقے نال وصول کرن دا اک طریقہ اے۔ بندہ ہر طریقے، ہر معاملے، ہر حال وچ اللہ تے یقین رکھے۔ پوری کوشش کرے تے نتیجہ اللہ تے چھڈ دیوے۔

حضورؐ دا اللہ دی لوکائی تے سب توں وڈا احسان اے کہ اونہاں نے سارے بھید کھول کے رکھ دیتے نیں۔ ایہہ نہ سمجھو کہ اے سارے بھید اونہاں نے آپ کھول دیتے بلکہ اونہاں تے اللہ نے کھولے تے انج ہی قرآن کریم دی شکل وچ ریکارڈ کر دِتا۔ ساری جندڑی دی محنت مشقت سہہ کے ایس امانت نوں لوکائی دے حوالے کیتا۔ لوکائی نے جیہڑی قدر کیتی اوہ سامنے اے۔

اللہ نے اِیس کتاب دا علم دتا، ہر بندہ اس توں فائدہ چک سکدا اے، بھانوے اوہدا ناں زید ہووے بکر یا عمر ہووے۔

❁ ❁ ❁

حیاتُک چشمہ

ابدال حق قلندر بابا چھ اَکس مکتوبس اندر فرماواں:

سورہ البقرہ گوڈ نِک آیاتِ مبارکس منز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماواں،

مفہوم: ''یہ کتاب چھِ تِمن لوکن گاش عطا کراں یِم پنن دِلن منز

اللہ تعالیٰ سُند ذوق چھِ تھاواں''۔ (البقرۃ)

غأبُک مقصد تِم حقائق یِم انسان سند مشاہدن نیبر چھِ تہ رب سنز معرفتس سیت تعاُلق تھاواں۔ ایمانُک مطلب گوو ذوق۔ ذوُق مطلب گووہ وٹھِ وونجہ کانہہ چیز ژارُن۔ ذوق چھُ سہُ عادتھ یُس معرفتس کُن سرگرداں روزہے، یِم باپتھ نہ زہِ تس واتے معاوضہ بلکہِ طبعیتُک تقاضہ پُورکرنہٕ باپتھ۔

متقی چھُ سہُ انسان یُس سمجنس منز احتیاط سیت کأم ہی تہ بدگمانی چھُون وتھ دیواں۔ سہُ چھُ رب سند معاملاتن منز تیوت محتاط روزاں تہ کائینا تُک کانہہ رُوپ چھُون تس دوُکھ دیوان۔ سہُ چھُ کائیناتس بلکل الگ زانان تہ خدا یس سنز کامین علیحدہ زاناں۔

اصل پأٹھ زاننُک وجہ چھو یہ زہِ تس اندر چھوذ ووق۔ یہ نہ سمجھین زہِ پرتھ انسانس اندر چھُ نہ ذوق، پرزس منز چھُ یوہے ذوق زندگی آگُر تہ حیاتچ بنیاد۔ انسان اتھ استعمال کرِن یا نہ کرِن، یہ چھِ تسنز مرضی تہ منشا، یوہے ذوق چھُ انسانس اندر نستھ نت چھُ انسان خألی۔ قرآنِ کریمس منز چھُ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماواں:

''مئے کور انسان وزنہ واجہ مژ سیت پاد'' (الرحمٰن: 14)

یتے چھِ مژ ہنز خصلتھ بیان آمژ کرنہ یُس خالی چھُ۔

ونی چھِ تہند باپتھ یہ سمجھنی سہل، ذوقس چھُ نہ وزن نہ چُھس فاصلہ کانہہ معنی تھاواں۔ نہ چھُ ذوق زمین تہ آسمانن ہنزِ حدن ہُند پابند نہ چھُ تس وقتھ پابند بناوتھ ہیکان۔ یوہے ذوق چھُ پھیراں تہ پکاں۔ یہ کتھ چھِ ضرور زہ انسان چھُ نہ تُت تام متعارف سپداں یُت تام نہ تس تعارف حاصل سپدِ۔ یلہ تس تعارف حأصل سپدِ تہ تس چھومولوم

ii

مولوم سپد اس زہ یوہے ذوق چھُ انسان یہ چھُ سارسی دنیاس منز آزاد۔ یہ چھو فرشتن ہُند سربراہ خدائے سنز نزبأژ صنعت تہ دنیاس اندر خدائے سُند نائب۔ کھورن سیت پکنُک تہ نہ اتھن سیت رٹنُک پابند۔ نہ چھو کنوسیت بوزنُک تہ اچھوسیت وچھنُک محتاج۔۔ یم خرافات انسانو پانہ پادکرِ مژ تہ پنن پانہ چھوڑ ہول وایان زہ بہ چھُس مجبور۔

تو ہی سوچو زہ کتیاہ لوکھ یمن اللہ تعالیٰ سُند تعارف پأ دسپد ءِ تم چھِن بہرحال آزاد، تمن گوژ پرتھ معاملس منز آزاد آسُن۔ یہ چھُ پزر زہ تم چھِ آزاد مگر اتھ سیت چھِ تم نوعِ انسان سنز رِ زِسیت گنڈِتھ پرتھ دورس منز چھُ امہِ کمزوری ایمن لوُکن تھنز آزادی نش آزاد تھومُت۔

یم سُند ناوٗ زید چھُ سہٕ چھُ ایمہ ذوقُق طرز۔ کانہہ طرز (پیٹرن) چھُ نہ بے حس تہ زُر پنجرہٕ بلکہ پکنہٕ وول، کھنہٕ تہٕ چنہٕ وول، پھیرن تہ سمجھن وول انسان۔ فرش پیٹھ عرش تام چھُ ایمہ سُند اکھ قدم۔

سرٕنی ہُند زُد آسمانن ہنز کھلہٕ فضا اکہِ تارکس پیٹھ بیأکس تارکس تام فأصلہٕ چھُ اتھ باپتھ اکہِ معنی تھاواں۔ سہٕ چھُ نہ کنی ٹھہراں نہ بھٹکاں۔ افسوس چھُ یہ زہِ سہٕ چھُ نہ پانس سمجھاں بہ کیاہ چھُس تہ کائینات کیاہ چھِ۔

یُس نور سارسی کائیناتس منز پھیلان اتھ منز چھِ پرتھ قسمٕچ شیچھ آسان یُس کائیناتکس ذرن تام واتان۔ ایمن شیچھن منز چھُ بوزُن، وچھن، مشک ہیون، ژٕہن، موسوس کُرن، خیال کُرن، واہم تہ گُمان وغیر، زندگی ہُند شعبہء پرتھ حرکتھ، تہ یحساس چھُ کأمل اندازس منز موجود، اتھ اصل حالتس اندر وصول کرُنک طریق چھُ صرف اکھ۔ انسانس پزءِ پرتھ طرزس تہ پرتھ حالتس منز اللہ تعالاس پیٹھ بھروس تھاوُن۔ کوشش گژھِ پُور کرنٕی تہ نتیج گژھِ خدائس پشرُن۔

حضور علیہ صلواۃ سلام سُند نوع انسانی پیٹھ سارنے کھُ بوُڈ یحسان چھُ یہ تموکرکھِ سأری راز واشگاف۔ یہ مہ زانو زہِ تموکرکھ ساری راز پننہ پان منکشف، بلکہ اللہ تعالان کھولِ تمن پیٹھ یم راز۔ تہ تمو رکھ من وعن قرآن کریم سند صورتس منز ریکارڈ۔ تموکرٕکھ سأری زندگی ہنز جفاکشی ژأ لتھ یہ امانتھ نوعِ انسانی حوالہء۔ نوع انسانی یُس قدر کر سہٕ چھِ ظاہر۔

اللہ تعالان دیوت اتھی علمس کتاب ہُند علم قرار۔ پرتھ انسان چھُ فائد تُلِتھ ہیکان۔ چاہے تسند ناوٗ زید ایسن عمر یا بکر ایسن۔

❁ ❁ ❁

你可能会认为，可能有许多人能够鉴别真主，但却从来没有独立。这是真实的，但这个弱点是由于他们的“心弦”附着于人类社会。它导致了他们在各个年龄段的部分自由。

一个被称作 Zaid 的人就是这种模式的一个典型。显然，这种模式并不归因于骨架，而是对一个吃、喝、走路、思考和理解的人来说。他可以一步登天。

中间的空间对他是无关紧要的，无论是通过一个针孔，还是跨越天空或遥远的星星之间的距离。他不会停止或迷失自己的道路。唉！他被自己和宇宙所遗忘。

Noor（一种较轻的光）传播细枝末节的信息到宇宙的每个实体。此信息传达了生命各个方面的完整细节，例如，味觉、嗅觉、听觉、视觉、感觉、关心或想法等。当一个人从所有方面，在任何情况下，在他生活的各个方面，信仰真主时，他才能真正感知这个信息。他努力奋斗，但却把一切后果都托付给真主。

尊贵的穆罕默德 (PBUH) 祝福人类，揭开所有神圣的奥秘。请牢牢记住，他并没有透露自己的意愿，而是以真主的名义。真主将真理和预言诉诸于他，它将这些真理和预言记录在古兰经上。穆罕默德终身窘迫，他最后将古兰经交付给了人类。人类得到的回报价值是相当明显的。

真主把这一知识称为“书的知识”。所有的人都可以从中受益，不管他是 Zaid、Bakar 或是 Omer。

生命之泉

Qalandar Baba Auliya (R.A), 他在一封书信中提到 *Abdal-e-haq* :
在古兰经的开篇卷首之处，真主说。
译文：“这本书将启发心向真主的人们” (古兰经)

Ghaib 是现实，心向真主则可以超越人类感知。信仰是一种能力，即探究真理，超越任何回报的欲望，以使自己在思维上感到满足。

Muttaqee 是指在理解某件事情时，一个非常警惕的人。当他能够鉴别真主时，任何不确定的事情或诡异的环境都不会误导他。 他鉴别真主，真主的意愿将清楚分明。

这是对一个人自己思维的鉴别。

不应该假定大多数人缺乏这种能力。事实上，思维是生命之泉，它奠定了生命的终极基础。它是一个人的特权，无论是否利用它。每一个人都具有着一种思维，否则他们形同虚无。据古兰经所述，

“真主用世间灰尘创造了人类” (至仁主， 14)

这节经文指出了灰尘的虚空。

现在你可以很容易地掌握这个想法，即思维是无形的，不局限于大地和天空的界限，也没有时空上的限制。除非一个人了解了它，否则它不会赋予他能力。一旦一个人建立了一种心得，那么他将意识到他是一种思维的事实。一种思维—在宇宙中是独立的，代表真主，优于天使和真主的守护神。他无需用脚来行走，或用手去抓取，也不依赖用眼睛去看或用耳朵去听。

人类已经为自己有限的能力找到了非理性的借口。

Люди сами придумали необоснованные оправдания своим ограниченным возможностям.

Здесь вы можете возразить, что было много людей, познавших Бога, но так и не получивших независимость. Это правда, но эта слабость объясняется их связью с обществом, в результате которой для этих людей возможна лишь частичная свобода во все периоды жизни.

Тот, кого называют «*Заид*» является образцом такого стремления к познанию. Конечно, речь не идет о теле, но о том, кто ест, пьет, ходит, думает и понимает. Его шаг преодолевает расстояние от земли до небес.

Для него не имеет значения завоевание вселенной, будь то размером с игольное ушко или через небеса к звездам. Он не останавливается и не сбивается с пути. Увы! Он не помнит ни себя, ни вселенную.

Нур (более тонкая форма света) передает частички информации каждому объекту во вселенной. Эта информация сообщает все подробности, необходимые для всех сфер жизни, например, вкус, запах, слух, зрение, ощущения, забота или мысли и т.д. Истинное восприятие этой информации возможно только тогда, когда человек полагается на Бога во всех отношениях, во всех обстоятельствах и во всех сферах жизни. Он прикладывает максимальные усилия, но результат оставляет на волю Бога.

Хазрат Мухаммад (с.а.с.) благословил человечество и открыл людям все божественные тайны. Следует помнить, что он делал это не по своей воле, а по желанию Бога. Бог ниспослал ему откровения, которые были записаны в виде Корана. На протяжении всей жизни испытывая тяготы, Святой Пророк (с.а.с.) передавал этот *аманат* человеку. Люди перед ним в долгу, объем которого очевиден.

Бог назвал это знание «Знанием Книги». Все люди могут получить от него пользу, будь то *Заид, Бакар* или *Омэр*.

❁ ❁ ❁

Жизненный поток

Абдал-э-Хак Хазур Каландер Баба Аулийя рассказывал:

В начале Суры Корова Бог сказал: «Эта книга для тех, кто стремится к Богу».

«Рэб» - это реальность, относящаяся к Богу, которая находится за пределами человеческого восприятия. Вера – это склонность к познанию, обусловленная не желанием получить награду, а стремлением утолить жажду знаний.

Муттаки – это человек, который с особым вниманием относится к пониманию предмета изучения. Ни неуверенность, ни обманчивые грани вселенной не могут увести его в сторону от определения Бога. Он четко различает Бога и Его волю.

Именно это различение является способностью познавать.

Не нужно думать, что большинство людей не обладают этим качеством. В действительности, стремление к познанию является жизненным потоком, лежащим в основе существования. Человек выбирает, пользоваться им или нет. Каждый человек наделен стремлением к познанию, в противном случае он просто пустота.

В Коране сказано: «Я создал человека из звучащей глины» (Сура Рахман; 14).

В этом аяте описывается природная пустота глины.

Теперь легко понять, что стремление к познанию невесомо, не заключено ни в границы земли или небес, ни в пространственно-временные пределы. Способности к познанию не открываются человеку до тех пор, пока он не познакомится с ними. Как только происходит знакомство, человек начинает осознавать сам факт того, что он и есть способность к познанию. Познающий – это тот, кто независим во вселенной, венец творения, превосходящий ангелов, и наместник Бога. Ему не нужны ноги, чтобы ходить, или руки, чтобы брать, он не зависим от глаз и ушей, если необходимо что-то увидеть или услышать.

Los hombres han encontrado excusas irracionales a sus capacidades limitadas.

Puede que la razón aquí, podría haber muchas personas que tiene conocimiento de Alá, pero nunca eran independientes. Es cierto, pero esta debilidad se debe a sus cadenas, adjunta a la sociedad humana. Conduce a la libertad parcial para ellos durante todas las edades.

Quien es llamado Zaid es un patrón de tal apt. Evidentemente, este patrón no es atribuido al esqueleto, pero para alguien que come, bebe, camina, piensa y entiende su paso un pie se extiende sobre la tierra al cielo.

Espacios intermedios es insignificante para él, ya sea a través de una abertura de la aguja o se extienden sobre cielos o entre las estrellas distantes. Él no se detiene ni perder su forma. Ay! Él es el olvido de sí mismo y del universo.

Noor (una forma más ligera de luz) se propaga las minucias de la información para cada entidad del universo. Estas informaciones de comunicar detalles completos de todas las caminatas de la vida en todos los aspectos, por ejemplo, probar, oler, oír, ver, sentir, cuidado o pensamientos etc.. Una verdadera percepción de estos datos sólo es posible cuando uno pone su confianza en Dios, de todo respeto, en todas las circunstancias, para todos caminar de su vida. Él se esfuerza duro, pero deja todas las consecuencias a Alá.

Profeta Mohammad (la paz sea con él) bendijo la humanidad y ha desvelado todos los misterios divinos. Tenga en mente, él (la paz sea con él) no revelarlas por su propia voluntad (la paz sea con él), pero después de Alá. Alá hubiese intuido sobre él (la paz sea con él) y él (la paz sea con él) registrada como está en el Corán. Cojinete de angustia permanente, entregó este *am'anat* (Corán) al ser humano. El valor de la humanidad en devolver el deber, es bastante obvio.

Dios ha llamado a este conocimiento como el 'conocimiento del Libro". Todo ser humano puede beneficiarse de ella, si él es Zaid, Bakar o Omer.

La Vida Corriente

Qalandar Baba Auleya (R.A), el *Abdal-e-haq* menciona en su epístola,

En el comienzo de la Sura Al-Baqra, Alá dijo,

Traducción: "Este libro ilumina la persona, que tiene la intención de Alá" (Al Baqra)

Son realidades *Ghaib*, anhelo a Alá y están más allá del precepto humano. La fe es una aptitud, que se propone explorar cuestiones que van más allá del deseo de cualquier recompensa, en lugar de satisfacer las propias apt.

Atributo *Motaqee* individuo, quien es extremadamente vigilantes en su comprensión sobre un asunto. Ni la incertidumbre, ni un engañoso aspecto de universo puede inducir a error cuando él distingue a Alá. Él discrimina la voluntad de Alá y Alá distintamente.

Esta distinción misma es una propiedad de la propia apt.

No debe suponerse que la mayoría de las personas carecen de esta aptitud. En efecto, la aptitud es el flujo de vida poniendo el fundamento último de la vida. Es la prerrogativa de un individuo si utilizar o no, cada individuo está imbuida de un apartamento, de lo contrario, simplemente son nulas. Se dice en el Corán,

"Creé humano con polvo tintineante" (Al-Rahman, 14)

Este versículo el vacío del estado naturaleza de polvo.

Ahora usted puede captar la idea de que fácilmente un apt es ingrávido, ni confinado en los límites de la tierra o los cielos, ni restringidos dentro de límites espacio-temporales. Hasta que uno obtiene el conocimiento, las capacidades de apt nunca se revela a él. Una vez que un conocido esté establecido, que es consciente del hecho de que él es un apt. Un apt-quien es independiente en el universo, magnum opus de Alá, siendo superior a los ángeles y el patrocinador principal de Alá. Ni él está obligado a caminar con pies o agarrar con las manos, ni dependientes de ojos u oídos para ver y escuchar.

ii

Mankind have themselves found irrational excuses to their limited capabilities.

You may reason here, there might be many people who got acquaintance of Allah, but were never independent. It is true, but this weakness is due to their strings, attached to the human society. It leads to partial freedom for them during all ages.

One who is called Zaid is a pattern of such an apt. Clearly, this pattern is not attributed to the skeleton, but to one who eats, drinks, walks, thinks and understands. His one foot step spans over the earth to heavens.

Intervening space is insignificant to him, whether through an aperture of needle, or span over heavens or between distant stars. He does not stop or lose his way. Alas! He is oblivion to himself and the universe.

Noor (a lighter form of light) spreads the minutiae of information to each entity of the universe. This information communicate complete details for all walks of life in all respects, e.g., taste, smell, hear, watch, feel, care or thoughts etc. A true perception of this information is only possible when one puts his confidence in Allah, from all respect, under all circumstances, for all walks of his life. He strives hard, but leaves all consequences to Allah.

Hazrat Muhammad (PBUH) blessed the humanity and unveiled all the divine mysteries. Bear in mind, he did not reveal them on his own will, but after the Allah. Allah divined on him and he recorded them as is in Quran. Bearing lifelong distress, he handed over this *amanat* to human being. The value humanity in return owe it, is quite obvious.

Allah has termed this knowledge as the ‘Knowledge of Book’. All human being can benefit from it, whether he is Zaid, Bakar or Omer.

Life Stream

Qalandar Baba Auliya (R.A), the *Abdal-e-haq* mentioned in his one epistle:

In the beginning of Sura Al-Baqara, Allah said,

Translation: “This book enlightens individual, who intends to Allah” (Al Baqara)

Ghaib are realities, longing to Allah and are beyond the human percept. Faith is an aptitude, which intends to explore matters beyond the desire of any reward, rather to satisfy one’s own apt.

Muttaqee attribute an individual, who is extremely vigilant in his understanding over a matter. Neither an uncertainty, nor a deceitful facet of universe can mislead him when he distinguishes Allah. He discriminates Allah and Allah’s will distinctly.

This very distinction is a property of one’s own apt.

It should not be assumed that most of individuals lack this aptitude. Indeed, aptitude is the stream of life laying the ultimate foundation of life. It is the prerogative of an individual whether to utilize it or not. Each individual is imbued with an apt, otherwise they are merely void. It is said in Quran,

“I created mankind with tinkling dust” (Al-Rahman, 14)

This verse states the void nature of dust.

Now you can grasp the idea easily that an apt is weightless, neither confined in boundaries of the earth or heavens, nor constrained within spatio-temporal limits. Until one gets acquaintance of it, the abilities of apt are never revealed upon him. Once an acquaintance is established, he becomes aware of the very fact, that he is an apt. An apt—who is independent in the universe, magnum opus of Allah, being superior to angels and the patron-in-chief of Allah. Neither he is obliged to walk with feet or grab with hands, nor dependent on eyes or ears for seeing and listening.

OPENING SOON

BOULEVARD MALL

A project of:

HERO CONSTRUCTION

Boulevard Mall, A/14, Auto Bhan Road, Hyderabad

UAN: 022 111 169 425 | Toll Free: 0800 69425 | Fax: 022 388 5280 | Email: myhcl.info@gmail.com

Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

Khawaja Shamsuddin Azeemi

~ Like us on Facebook ~

English translations of Mr. Azeemi's work available.

https://www.facebook.com/BlueroomCanada

V

the entities' essences,
whose descriptions lurk behind their attributes,
Like Your Essence, Your descriptions are unbounded
but not naked of binding in the loci of manifestation.

Not only knowledge, but also all the powerful affairs possessed by the Real Being pervade fully and go throughout the ten thousand beings. All ten thousand things are endowed with the powerful affairs of the Real Being. However, some have supremacy and some are subservient, and the difference of more or less is nothing but the difference of cornpleteness and incompleteness.

Chapter 34

The Union affinity and Thing

The Substance of the Real Being, which pervades and goes into the ten thousand substances, is the Substance of the ten thousand beings, and so also, the Substance of the ten thousand beings, which are put together in the Real Substance, is the Substance of the Real Being. The functions of the Real Being, which are distributed to the ten thousand beings, are the functions of the ten thousand beings, and so also the functions of the ten thousand beings, which are contained in the Real Function, are the functions of the Real Being. Apart from the Real Substance, nothing is to be thought a substance, and apart from the Real Function, nothing is to be thought a function. Thus it is said that there is nothing, only the Real.

The Thirty-Fifth Gleam

The reality of Being is the "Essence" of the Presence of the Real-glory be to Him, and high indeed is He! The Essence's tasks, relations, and respects are His "attributes," His making Himself manifest as clothed in these relations and respects is His "act" and "trace-inducing." The manifest entifications that are put in order by this making manifest are His " traces."

To Himself through His essential tasks, He who sits behind
the curtain
began displaying within manifestation's loci, which are
this world and religion.
O seeker of certainty, see in this subtle point of mine
what are "Essence," "attribute," "act," and "trace."

The Thirty-Sixth Gleam

In some places in the Fusus, the Shaykh's words indicate that the existence of the entities of the possible things and of the perfections subordinate to existence are attributed to the Presence of the Real (glory be to Him and high indeed is He!); in other places, that everything attributed to the Presence of the Real is this very effusion of existence, nothing else, and that existence's subordinates are among the things entailed by the entities.

Within all the principles of the things, the more the Real Principle is supreme, the more knowledge is complete. The more the things' nature is supreme, the more knowledge is diminished in itself.

Truly, the Real Being's knowledge goes throughout the ten thousand beings. Therefore, without any doubt, all things large or small, manifest or concealed, have knowledge. However there are two sorts of knowledge. One can be called "knowledge" according to the common people's opinion, and the other cannot be called "knowledge" according to their opinion. Both kinds are called "having knowledge" by those who possess real eyes.

For example, in the common people's opinion, it is not said that water has knowledge. Nonetheless, we see that water has the power of divining between high and low. It leaves the high and has the power to go down. When it encounters emptiness, it enters into it, and when it encounters fullness, it runs against it. If it is possible for it to go, it goes; if not, it stops. All these come from the power of knowledge.

So also should be judged knowledge's pervading all the other existents-or rather, the pervasion of every single existent by every perfection that is subordinate to existence.

Through the attributes hidden within It
Being pervades all the entities of the world.
In the entity receptive to It, every description
is plainly seen in the measure of the entity's receptivity.

The Thirty-Fourth Gleam

From the direction of the unmisedness of Its own unboundedness, the reality of Being pervades the essences of all existents such that, within these essences, It is the same as these essences. So also Its perfect attributes, because of their universality and unboundedness, pervade all the attributes of the existents such that, in the midst of the existents' attributes, these perfect attributes are the same as those attributes, just as those attributes were the same as these in the perfect attributes themselves.

For example, in the midst of the world's knowledge of the particulars, the attribute of knowledge is the same as knowledge of the particulars; in the midst of the world's knowledge of the universals, it is the same as knowledge of universals,: in the midst of active and passive knowledge, it is the same as active and passive knowledge; and in the midst of knowledge through tasting and finding, it is the same as knowledge through tasting and finding. This reaches the point that, in the midst of the knowledge of those existents that are not held to be knowing in terms of common usage, it is the same as the knowledge that is appropriate to their state. So also should be judged all the other attributes and perfections.

O You whose Essence pervades

Sadr al-Din Qunawi-may God hallow his secret heart!-says,
Knowledge is subordinate to existence in the sense that, whenever any of the realities has existence, there is knowledge. The disparity of the knowledge is in terms of the disparity of the realities in receiving existence, perfectly or deficiently. Hence, what is receptive to existence more completely and perfectly is receptive to knowledge in the same mode, and what is receptive to existence more deficiently is qualified by knowledge in the same mode.
The springhead of this disparity is that the properties of necessity and possibility dominate and are dominated over. In any reality where the properties of necessity are more dominant, existence and knowledge are more perfect. In any reality where the properties of possibility are more dominant, existence and knowledge are more deficient. Most likely, the judgment that occurs in the words of the Shaykh-that knowledge specifically is subordinate to existence-is by way of providing an example. Otherwise, all the perfections subordinate to existence, such as life, power, desire, and so on, have the same state.
One of them-God hallow their secret hearts-has said that no individual existent is naked of the attribute of knowledge, but knowledge has two modes. One is called "knowledge" in keeping with common usage, and the other is not called "knowledge" in common usage. However, the lords of the reality hold that both sorts pertain to the category of knowledge, for they witness the fact that the Real's essential knowledge pervades all existents.
Pertaining to the second sort is water, which is not considered a knower'" in common usage. However, we see that it distinguishes between highness and lowness. It turns away from highness and flows to the side of lowness. In the same way, it enters into a porous body and it wets the surface of a solid body and passes by; and so on. Hence, it is because of the specificity of knowledge that water flows according to what is entailed by the receptivity of the receptacle and the lack of opposition to it. However, at this level knowledge has become manifest in the form of nature.

Chapter 33

Knowledge and Power

The ten thousand things all have knowledge, and each of them has difference of more or less. The difference of more or less is based on the completeness or incompleteness of receptivity toward the endowment of the Real Being. When something receives the Real Being completely, its knowledge is also complete. When something receives the Real Being slightly and lackingly, its knowledge is little in itself.
What is the beginning condition of that which is complete and incomplete? It is related to the supremacy and subservience that people obtain from the Real Principle and the principle of things.

existence qua affair of existence.

Every description pertaining to good and perfection
is a description of the pure and transcendent Essence.
Every attribute counted as evil and bane
goes back to the inadequacy of the receptivities.

The Thirty-Second Gleam

The philosophers have claimed it to be self-evident that existence is sheer good. To clarify this, they have brought various examples. They say, for example, that hail brings about fruit's corruption and that it is evil in relation to fruit. Its evilness is not in regard to the fact that it is one of the qualities, because, in this regard, it is one of the perfections. Rather, it is in regard to the fact that it has caused the fruit not to arrive at its appropriate perfections.

In the same way, for example, killing is evil. Its evilness is not in regard to the killer's power to kill, or the weapons cuttingness, or the receptivity of the bodily member to cutting. Rather, it is in regard to life's disappearance, and this is an affair of nonexistence. And so on with other examples.

Wherever existence journeys, O heart,
know for certain that it is Sheer Good, O heart.
Every evil comes from nonexistence, not from existence,
so all evil is entailed by the "other," O heart.

Chapter 32

Good and Evil

All the natures, the feelings, and the turnings of vital-energy, and all the acting and making that become manifest in all the sites of manifestation, are in reality related to the Real Being, who becomes manifest in all these sites of manifestation. Thus, if an evil or an injury is seen in a site of manifestation, the reason may be the nonbeing of a different affair, because everything that has being is unmixedly limpid and " utmost good." So, if something is regarded as evil, this is because of the nonbeing of another affair, not because this affair has being.

For example, hail harms fruits, and it is evil in relation to fruit. However; what makes it evil is not that the pattern and shape of balls being is not good, for in discussing the shape and pattern, it is judged to be complete. Rather, that is because it caused the fruit not to reach completeness.

So also, killing is evil. What makes it evil is not the power of the killer, the sharpness of the knife or the sword, or the ease of separating the limbs from the one killed. Rather, it is simply because life has been changed and removed. The change and removal of life is nonbeing.

Therefore, it is said that all being is good, and evil is also good. However; goodness is completeness, and it is from the affair of the Root Nature; evilness is injury, and it belongs to a things being receptive toward the endowment of ruin and such things.

The Thirty-Third Gleam

In the book al-Nusus, Shaykh

i

Chinese Gleams of Sufi Light

This is a treatise named *The Gleams* on the explanation of the gnostic sciences and the meanings. It has gleamed forth from the tablets of the secret hearts and spirits of the lords of gnosis and the masters of testing and finding in appropriate expressions and lustrous allusions. It is hoped that none will see in the midst him who has embarked on this explication or sit on the carpet of avoidance and the mat of protest.

From us are sought only incapacity and nonbeing-
being and its subordinates are all held back.
It is He who appears in our form-
that is why power and act are ascribed to us.
Since your essence is negated, O man of understanding,
keep silence in ascribing acts to yourself.
Listen to a sweet proverb, don't show a sour face-
"First put up the roof, then paint."
How long this praise of self to spite the envier?
How long promoting goods that no one buys?
You are nonexistent, and imagining your being
is perverse. How long this perverse imagining?

Chapter 31

Power and Act

All the power and acts that are made manifest from various sites of manifestation are in reality manifest from the Real Being, not from the site of manifestation. Therefore it is said, "People do not have acts. Acts are only from the Lord. Yet people are happy with what returns to themselves.

Hence, whenever we talk about the power and acts that are attributed to human beings, it is correct to say that they are the Real Being becoming manifest in the human image, not that they are becoming manifest through the human substance. The Classic says, "The Real Lord transforms you and what you do."

The Thirty-First Gleam

The attributes, states, and acts that are manifest in the loci of manifestation are, in reality, ascribed to the Real that is manifest in these loci of manifestation. So, if from time to time an evil or a deficiency occurs in some of them, this may be from the direction of the nonexistence of something else, because existence qua existence is sheer good. Whenever an evil is imagined from an affair of existence, this is because some other affair of existence does not exist, not because of that affair of

"Reprinted by permission from Chinese Gleams of Sufi Light by Sachiko Murata, the State University of New York Press © 2000, State University of New York. All rights reserved"

dice convey in their minds nor in their hearts. They do not know how to be proud; you will never hear them say that they are more superior to the humans in any way.

O foolish human, at least you are something, they have never considered even the most inferior of creatures to be worse than them, they have never had the time to think about good or bad. They are so busy in gratitude and glorifying the Names of their Lord such that they do not have opportunity to participate in the good or bad affairs of any creature or of any individual.

And yes, hear this from me too, had you not exceeded your boundaries, had you not stepped out of the limits of humanity and had not ill reputed the angels, or looked at me as I was a low grade creature, then I swear by my Lord Creator than I would never had answered you back. However time tends to be a teacher. Your own hot headedness has compelled me to evaluate your real nature and your capacity, and bring it to your attention that today in the name of humanity and because of your high status, you are blasphemous! I am able to clutch you in my grasp in every way because you simply no longer possess that ability within you which gave you the means and the power to confront me with. Let me reveal to you another little secret; you have been played in my hands for some considerable time now. You have been dancing upon my every instruction.

Ignorant child, do not be so arrogant and take a look within your inner; I am whispering in the inside of you. Your significance has become that of a puppet which has no option but to act upon the will and the commands of the puppet master. I govern your every aspect and because I have been dwelling in your confined body for so long, I too have developed an increased sense of self pride and superiority. I too will be proud and will think of myself as being superior to everyone on earth. Furthermore I will try and get you all to acknowledge me as your superior master.

You have incurred this one loss though, you have been receiving that one thing that was the source of your life, it is that very knowledge which the Lord Creator had taught only to you, and that knowledge could have been the means of your salvation. But now you have to be grateful to me because for the remainder of your life and its outcomes, you shall obtain from me. People of the world will perceive you as one who is pious and truthful; they will try and inscribe your bad deeds on to my personal record whereas the good deeds shall be deposited in your own personal record bank only and not in mine. However this does not upset me at the slightest, I am well acquainted with all this from the beginning. And all that which will take place in the future is in my knowledge too. Continue...

V

instance I would reveal to man his actual ability and expose to him the true depth of the waters that he is actually swimming in.

Today I am forced to reveal a secret that I have kept locked in the depths of my heart for thousands of years. This situation compels me such that I should awaken your conscious. You are sleeping whilst being awake and you are totally oblivious of reality even though you are fully conscious.

Today I will reveal those affairs which I have kept secret for a very long time. I was hoping that I would not have to do so and it would have been easier for me to leave you in this state of slumber and let you complete all your breaths whilst remaining in the state of complete ignorance. But what else can I do? My people are being falsely accused. My brethren are being ridiculed, the reputation of my friends is being tarnished, and your false pride and arrogance are like swords that are cutting my dearest of friends. I can now longer remain silent, I can no longer contain my mouth and my heart and so I am about to reveal to you those affairs that I have kept locked within the deepest chambers of my heart.

It has been a considerable amount of time now that man has been residing on earth. He has been conducting his affairs on earth whilst being so called 'human' and under the banner of humanity. However why don't you take time out to think, are you actually a human? Is humanity really evident within you?

Fool! Before engaging in an argument with me, it would have been far better for you if you had conducted the argument about the nature of your own existence. You should have come to a certain realisation about your own self, this very thing over which you have been fighting over and have been giving a lot of importance to, where is it? Who has possession of it? Why don't you search into this? This is why I am saying, the intellect that is made of matter of this clay statue is blind! Don't just grieve over this wisdom but grasp a sense of awareness and appreciation, and if you fail to do so then your very existence will cease to exist.

Ignorant human, what would you gain by confronting the angels? They are far above in status than the humans of the earth, they are familiar with the favours and the bounties that they have been granted with from their Lord, and they fully understand the importance and the magnitude of these bounties. Whatsoever they have been granted from their Lord will remain with them, and whatever they are in nature they will remain content with. This is because they know how to be thankful, they have a sense of appreciation and gratitude and they are never arrogant. Unlike you humans their necks are not rigid with self-pride. Like you they do not have any ungratefulness within their inners self and neither does preju-

three day old child. Your breath still gives off the whiff of breast milk. If you want to witness magnificence and experience broad mindedness then come into the realm of the angels. Come and bring your eyesight with you, come and witness those that have been blessed with having nearness to Allah, those that have been blessed with seeing His Noor all day and those who rein in the heavens. Come and see, and see well how all these heavenly bodies are busy in worshipping their Lord at every moment. Witness the rise to the heavens of these creatures, they are not *'deputies on earth'*, they are not the *'best of all creations'*, they are neither what you are, or any of those things that you claim to be either. Witness the ascension to the heavens and bow your head in shame! You will see the angels prostrating to their Lord, they have not been prostrating since this day only, but have been in submission from the very beginning of their creation, and they will remain so for all of eternity. Their Lord has granted them this one wealth, and that is they have been granted a nearness to Him, and for this one blessing their heads will remain in submission to their Lord until doomsday.

Take a deep look within side yourself and deliberate and ponder; what you have understood about your own nature? You have the realisation and comprehension that Allah has made you complete. Then come and whisper into my ear and tell me that in return for this favour to you from your Lord that you have bowed your head to Him in gratitude. That you have ever submitted your will to your Lord for the fact that you are His deputy on earth, you are the best of all creation, and for all the other claims that you have made about yourself. O one who wears the veil of deceit, Be ashamed! Admit and accept that what you are not that which is the seen, and that which is seen is not really you.

Look at the angels, despite what they are in magnificence; they do not claim to be creatures of any significance. Look at their action and deeds, they do what they should be doing without the thought of punishment of hell or reward in Paradise ever crossing their mind. Then look at your own world and the actions of mankind, what is the reason for their existence on earth and what are they doing? Yet after all this mankind has the nerve to make claims that it is superior to the angels and that it is the most powerful creature in the whole universe.

For most men it is an overwhelming sense of accomplishment for them that in the 24 hours that make the day and night that they manage to bow their head once in prayer. The arrogance of man is such as if he has done Allah one great big favour and now Allah is in his debt.

What can I say, if only there was a situation where a contest could be made possible between man and angels, and then in an

can come on to the earth and each publish their own individual biographies, the angels and their friends haven't murdered anyone's beloved buffalo or oxen. Why should they keep their tongues and pens tightly locked away? Why don't I too write about the events of my life and have my memoires published?

To this day no angel or no jinn has published his autobiography. Why has this been the case? This is a secret and has been deliberately kept a secret. This small minded man who is dwelling on earth does not know of this and is not capable of understanding it either. The mind and wisdom of man that is made of clay matter, can this clay comprehend as to why the light world (Noor Realm) and the fire world (Realm of Nar) have not published their biographies and as to why they have restrained themselves from doing so? These narrow minded statues of clay may perhaps be thinking that the Jinns and the Angels are not versed with reading or writing, or that perhaps they have no need to be able to read or write. However! Remember that we had learnt to eat well before the statue of clay; we learnt to speak well before it. If one has this arrogance in him that the most accomplished human being can contend or compete with even the lowest ranking of angels then he is very much disillusioned and ill informed.

We have been listening to the hollow claims made by mankind for a long time now and have remained silent for far too long. It is all too easy to repeat words like a parrot and all humans have this attribute of the parrot in them, but there is a big difference in simply repeating something and having the actual ability to do something. This incapable man states that angles are not on par with him. He is full of arrogance and pride saying Allah has made him His deputy on earth, that he is the best of all creations and that he is the most powerful of all creatures. He has been making a mockery of the angels.

If I reveal the truth and expose all the true colour of mankind then man will become disgraced. Allah, out of His sheer Kindness stated that man is the best of all creations and as a result man has not been able to restrain himself from being big headed. Allah stated that man is the most superior creature within the universe and this has caused man to grow a stiff and hardened bone in his neck, such that it does not let him bow down or prostrate. Man has become so self-centred that in his mind the entire universe appears insignificant and inferior compared to him.

Oh wow! To your narrow mindedness! Over such an insignificant matter you have gotten hot headed and boil with rage. Despite having two eyes this is the limit of your short sightedness. Look at me! O short sighted one, look at me! Compared to me, you are like a

The Reason for the Publication of This Book

There was a gathering of group of people, and from amongst them the topic of 'committing sins' emerged. One of the individuals claimed that if the creation of devils had not taken place and if they did not exist, then mankind would not commit sins. The rationale behind his claim was that the only reason why mankind commits sins is because of the influence exerted by the devils.

Another individual who was present within the group asked:

"Why are you disgracing the devils, man commits sins due to his own will and intention, so how are the devils to blame?"

This debate raged on for a considerable amount of time when another individual raised the question: "What on earth is the devil creature anyway"?

In reply to this question, some individuals suggested that he was an angel who turned bad, others stated that he was a Jinn, some argued that he was the teacher of all the angels and that he was responsible for Adam being expelled from Paradise, and that he is now on a mission to make mankind carry out sins here on earth. However no one could answer the question regarding the devil with any real conviction.

One of the friends amongst the group stated:

"In this world thousands of men have published their autobiographies, however in the world of the angels; none of them have had the courage to do so. At least from the biographies of man we have learnt of famous individuals and of their capable teachers, and we have also learnt as to why certain men have risen to or fallen from grace. It seems that the realm of angels too is ashamed of its actions and deeds and so cannot reveal their biographies to mankind. I am convinced that the angels must have a deficiency in them regarding this matter"

The devil (Iblees) happened to be present in the crowd, upon hearing all this he laughed out loud and replied:

"Unlike mankind we are not in the habit of telling deceitful lies. If you really want to see my autobiography, then tomorrow morning the biography will appear on your desks".

The next morning the amazing book 'Autobiography of the Devil' was present just as Iblees had promised and people could be seen reading it with absolute fascination. As people were captivated and engrossed in the book the heckling laugh of the devil could be heard in the far off distance.

The devils narrated his own autobiography in his very own words in the following manner:-

Request:

Why Sahib! When these toys created out of clay, which we have made by our hands, if they

i

The Autobiography of the Devil (Iblees)

Upon the creation of Pakistan in 1947, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) migrated from India to Pakistan and arrived in the city of Rawalpindi. After a brief period of settlement in Rawalpindi, Qalandar Baba (RA) decided to move to the city of Karachi where he permanently made his home.

As an initial means of employment Qalandar Baba (RA) was recruited as a sub editor for the Urdu Dawn newspaper. As a writer he went on to pen stories for various different publishers and weekly magazines where alongside poetry Qalandar Baba (RA) also wrote extraordinary works of fiction too.

Sometime later Qalandar Baba (RA) gained employment with the monthly Naqqad Magazine - Karachi. Whilst writing for the Naqqad magazine, Qalandar Baba (RA) began to present the Autobiography of the Devil in small episodes. This was read with a lot of interest and enthusiasm and so as a result, the popularity of the magazine began to spread and the sales of the Naqqad Magazine increased very significantly.

Hazrat Khawaja Shamsuddin Azeemi confirms that regularly throughout the day he witnessed long queues of people forming outside the offices of the Monthly Naqqad magazine, as the readers eagerly waited to purchase a copy of the magazine.

The book, Autobiography of the Devil is such a mesmerising work of miracle that it takes the readers mind into a deep expanse of vastness. It is such a book that for a person who has the most basic of education, he after reading it experiences that an ocean of wealth of knowledge has accumulated and stored inside of him.

Mr Nisar Ahmed Azeemi states that: “After years of searching for this book, I eventually discovered it within a library and I felt it necessary to have the book republished and distributed so that it would benefit people by increasing their knowledge and understanding”.

In the publication of this book special praise must be mentioned for Mr. Zafar Nayazi because this book was originally put together by him from the original scripts of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) . This was at the time when Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) used to work at the Monthly Naqqad magazine. With my sincere gratitude and thanks to the late Mr. Zafar Niyazi (may Allah bless him) and his family, I present to you the book: ‘The Autobiography of the Devil (Iblees)’.

May Allah with His Grace accept this book for all of mankind”

This book was translated from Urdu into English by Nasser Abbas Azeemi – November 2012

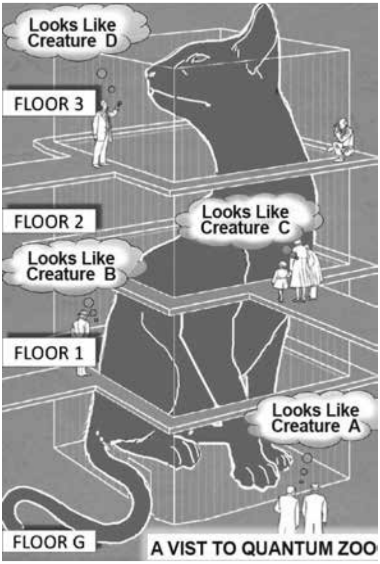

Take for instance, visitors interpretation, when they found a bizarre creature in a Quantum Zoo. Each visitor at the floor has own observation, own experience and own interpretation to their perception of Quantum Zoo Cat. Where is sense of reality? Will any one win out over the others? No other field in science has so many diverse ways of looking at it. How so?

In the wonderland of quantum adventure, universe shrinks down from the galactic scale to atoms—electrons and light flashes, you will find objects that exist in two places at once! Share seemingly telepathic links and even change their properties if they think they are being watched. Scientists have laboured for a century to make sense of all this. We revel in quantum weirdness in the same way Carroll's readers revel in the world Alice found by following the White Rabbit.

Like many modern physicist, both a hard core and committed religious agrees with the existence/ non-existence stance of any object, until marked with its observation. Quantum physicist marked this event as collapsing the wave function.

Waves are information emerging from some "unknown source", disseminated around us in un-known form, which Schrodinger labelled wave function. Many western pro-religion scientists argue that collapsing the wave function has a happy side effect—it explains why God tolerates the existence of evil. "God has values, He wants us to enjoy life, but he also wants to create an elegant universe." To God the importance of elegance comes before that of suffering, which, they infer, is why bad things happen. "God won't collapse the wave function to cure people or prevent earthquakes, because that would make the universe much more inelegant." For these scientists, that is an intellectually satisfying solution but in the any-worlds interpretation, every possible action is actually taken. It does not mean that it is fixed that we do one particular course of action—that is in the multiverse, we are doing all of them.

Snatch a toy from the tiniest of infants, and the reaction is likely to disappoint you. Most seem to

The Interpretation Does Matter

"The proportion of interpreted information as compared to divined in general is negligible. Inevitably, one has to seek mystic knowledge that is Quran—a wider source of information."

(Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA))

"**Nature loves to hide**." This statement resonates in us, as it did in the ancient Greeks. Behind the phenomenal world, there is a hidden reality. But what is this hidden reality? What is its relationship with the sensory world? Do we have a world-view that can encompass both the hidden and manifest aspects of nature?

Seven hundred years ago these questions would have been answered by Dante's vision. It provided the Western mind with a comprehensive world-view, integrating the various aspects of the universe into one magnificent whole, a whole in which we humans played an organic and central role. Dante's cosmology collapsed in the middle of the sixteenth century with the advent of the Copernican revolution. The period of Copernicus's ended with the publication of Newton's Principia Mathematica Philosophiae Naturalis, was a time of transition, a time in which Western civilization was devoid of a coherent set of beliefs regarding the nature of reality. With the advent of Einstein's Special and General Theories of Relativity, followed by Quantum Theory the Newtonian ideas about space and time were thrown overboard. At the present time, we live, "between zoo of stories."

The fertile wilds of our universe have provided us with a menagerie of fascinating ideas. Our world is one where the unfolding of events is always "curiouser and curiouser", so is the tension of Alice's Adventures in Wonderland emerges when Alice's fixed perspective of the world comes into contact with the mad, illogical world of Wonderland.

Alice's fixed sense of order clashes with the madness she finds in Wonderland. Alice's Adventures in Wonderland—an 1865 novel written by English mathematician under the pseudonym Lewis Carroll. Alice is impressed by a cat's shoot-from-the-hip, the most important thing the Cat does is tell Alice that everyone in Wonderland is crazy – even her. She persists in her way of life, as she perceives her sense of order collapsing all around her. Alice must choose between retaining her notions of order and assimilating into Wonderland's nonsensical rules. Most significantly, Wonderland challenges her perceptions of good manners by constantly assaulting her with dismissive rudeness. Alice's fundamental beliefs face challenges at every turn, and as a result Alice suffers an identity crisis.

مٹی کی صورتیں

مٹی کی صورتیں ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں اے آدم زاد! تو کیوں خودفراموشی کے جال میں گرفتار ہے؟ یہ سب مٹی ہے جو ٹوٹ کر بکھر کر ریزہ ریزہ ہو کر نئے نئے روپ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ تو کیوں مٹی کے سامنے شکست خوردہ نہیں ہو جاتا۔ اس شکست میں تیرے لئے سعادت ہے کہ کبر و نخوت سے بچ جائے گا۔

The facets of sand

The facets of sand are calling upon us, Oh Son of Adam ! Why are you trapped in self-ignorance? This is all sand that is breaking, spilling in particles and re-surfacing in new manifestations. Why do you not cede before the sand? There is privilege for you in surrendering; you will be saved from pride and arrogance.

AZEEMIA SPIRITUAL & HEALING CENTRE MISSISSAUGA CANADA

مُراقبہ ہال کینیڈا

Email: mhcanada@hotmal.com Phone: 1-905 2811928

V

thing. The nature on which the God has created you is not to be independent. Our base nature is to live a dependent life. Therefore it is mandatory to leave your independent life and let yourself be completely dependent on Allah. You do not have the quality to make someone yours; but you do possess a very strong quality of becoming someone else's."

With the blessing of God, the special attention and association of Prophet Muhammad (PBUH), and with the company of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), my conscious gave up resistance. After 16 years, I understood, that whatever happens and wherever it happens in the universe, it is from God."

Spiritualism is obeying the command. Using this method, a spiritual mentor teaches the manner of worshipping, as the knowledge of spiritualism is learnt through the constraints of being a servant. A person neither finds God nor his own Self if they deviate from the path of being a servant. It is mandatory to act whole heartedly on the command of a spiritual mentor to strengthen mental concentration. The will of the spiritual mentor gradually overtakes the will of a disciple as they follow orders. Soon, mental concentration becomes an action of the spiritual mentor's will. Then, a thought will come into spiritual mentor's mind and leave. The same thought will transfer from the mentor's mind to the disciple's mind who will then act on it.

Sayings of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA):

- It is important to remain on the path of Sufism to acquire knowledge and progress on this path as a blessing of God, and not to consider spiritual knowledge and blessings as a result of personal efforts. Be respectful, and be fortunate. Be disrespectful, and be unfortunate. This formula is the source of light for the life of a disciple.

-The disciple should have an active will in following his teacher obediently and respectfully. A student cannot acquire knowledge unless he acts on the teacher's advice.

- Acquire scientific and technological knowledge along with spiritual knowledge.

- Contemplation, concentrating one's mind on one point, and thinking about the signs of God with undivided attention are forms of meditation. There are 11,500 gifted abilities of God present in a human being. Contemplating on the attributes of God with complete mental concentration is meditation.

- *Sad-rul-Sadoor* (a very high rank in God's administrative system), Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, "My Azeemi children talk politely, demonstrate a high level of ethics, are sweet in listening and are happy from the inside. One and one Azeemis are not two – they are eleven.

-When God is happy, everyone is happy.

2. You will not carry any weapon.
3. You will not become a landlord.
4. You will not do any business involving interest.
5. You will not harm anyone.

He then said to me, “You have to complete your (spiritual) education, memorise laws, learn the language of angels, and remember even less important things, and you contemplate on everything, even it has no significance from your perspective.”

His first lesson was:

“In the name of Allah, the Most Gracious, the Most Merciful.

Be Respectful Be Fortunate

Be Disrespectful Be Unfortunate

(Those with respect have fortune, and those without do not).”

Mr. Azeemi said, “Before joining the school of Neutral Thinking, my mind was very business oriented (self centred). I would set expectations of anyone I met. After coming under the training of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), this way of thinking was the first that he corrected. It was made so that the expectations I set for people were never fulfilled. After this process repeated continuously, I eventually forgot about setting expectations. It became a firm thought in my mind that people can only help if Allah wills it.”

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, “Khawaja Sahib! Do not be irregular in your meditation. We do not have much time. Sometimes, we have to wait for six months or so to bless a person for just a minute. However, when we do find a minute and focus our attention on a disciple, we find them sleeping or busy playing games. They lose the reward that they were just about to receive by not practicing regularly and performing their meditation on time. God knows when their next reward may come.”

The seed of the banyan tree is smaller in size than the seed of opium poppy. However, it gives up its physical body (conscious system) when it rests in the earth. Nature appreciates its efforts and this small seed becomes a huge tree. Along the same lines, when a person lets his physical body (conscious system) dissolve into the spiritual system, then as Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says, ‘He becomes a tree providing a relaxing shade.’

“Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) trained me using his exalted power, blessings, speech, knowledge and company. The core of his training was that, whatever a person does, it must be for God. Whatever he does, it must be aligned with the will of the Lord and not contaminated with his personal will.

One day, my kind spiritual mentor asked me to sit down and said, “There are two ways to spend your life. In the same way, there are two ways to become someone important. There are also two ways to acquire something from someone and there are two ways to give someone some-

covers up their mistakes – big and small – and lets him pass through the ups and downs of the journey to reach a place where peace engulfs his life.

The respected Mr. Azeemi has said, “When I started on the journey of belief, a storm of doubts and distrust struck me. I thought of all the nights I remained awake but had no *Kashf* (divine inspiration). I devoted my days and nights for the *Silsila* (Sufi order) and there were others who were being blessed whilst I remained unblessed. I had the honour of reading out all letters that came for Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) and even write down his replies. One day I said,

“I have been devoted to you! Do I not even possess the same ability as the person whose letter I have just read?”

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) replied, “No, you do not have the ability.”

I then said, “Sometimes, I see a lady, Masha’Allah, how beautiful a journey she makes. She flies in the heavens - am I even worse than her?”

The reply was, “Yes.”

When my hopelessness increased, one day my spiritual mentor said, “Khawaja Sahib (Mr. Azeemi), please sit down. Please tell me, what is my relationship with you?”

I replied, “I am your servant.”

“Okay, that’s fine, but what am I to you?”

I replied cautiously, “You are my love.”

He smiled, “Okay, the problem is solved. Now you tell me, if your love is in your arms, do you think of anything else? If you do, then it is an insult to the one you ‘love’. If the thought of anything else comes to mind, even though you may be physically close to your ‘love’, the thing you actually love is what you’re thinking of.”

I trembled as tears came to my eyes. Standing with heavy feet, I placed my head at the feet of my spiritual mentor. He sighed and then hugged me.”

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, “Gaining knowledge is not possible without company. Just as the company and guidance of parents is necessary for a child to learn their mother tongue and family traditions, or the company of a teacher is mandatory at school, so too is the company of a spiritual mentor compulsory in spiritualism. People say, spiritualism is a knowledge based on blowing one someone (a blessing tradition). If spiritual knowledge could be acquired by just that, then why does one not attain a Matric degree through someone blowing on them? To acquire knowledge, the company of a teacher is compulsory. Company refers to a connection of mind and heart.”

Mr. Azeemi has written,

“Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) attained my *Bai’at* (oath) on the following conditions:

1. You will not look at the inner of anyone.

root firm and its branches in the sky." (Quran, 14:24)

A spiritual mentor cleanses a disciple as soon as he assumes the responsibility of counsellor. He keeps purifying a disciple till there is nothing left to purify, and the fragrances of purification have fully taken over. It is a separate matter if the disciple creates a mental distance from his mentor due to personal preferences.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, "It often happens that even when a mentor remains dutiful in cleansing someone for their whole life, the disciple continues to contaminate himself. Eventually, the mentor will pass away from this world."

The spiritual mentor Mr. Azeemi said, "I had a friend once. I asked Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) why he was not progressing. He remembered the Lord so many times, performed so many pious activities, offered many *Nawafil* (optional prayers), visited the tombs of spiritual people, and stood obediently and respectfully in front of his spiritual mentor – so what was obstructing his progress? Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) replied, 'He is a very good person, however, his heart has been filled with the love of children.'

I replied, Huzoor Baba Sahib (RA) – to love children is a natural phenomenon.

Huzoor Baba Sahib (RA) replied, ''No doubt, loving children is a natural phenomenon. However, if it takes over the love of Allah, then even children become a constraint. Love children due to the fact that Allah has blessed you with them."

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, "There are two ways to train someone. The first method is to use criticism, use anger when telling them to stop doing something. Through this method, the person will indeed be trained. However, whenever they get a chance, they will engage in the activity that they were asked not to do.

The second method is to be patient with their mistakes and to be forgiving. Forgive them to the extent that they stop making mistakes due to feeling ashamed of themselves. This type of 'trained person' will not repeat mistakes. Instead, they will love their teacher and will devotedly support them until the end of their limits."

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said, "There is an extraordinary quality that saints possess. When people make a fool of them, they let them do it till the very end. Saints say, 'Let him be happy – and a saint does not disclose what they have done to a person until the time that the perpetrators give up on the relationship or realize their mistake.'' The prophet Muhammad (PBUH) has mentioned,

"Be attentive of the intelligence of a believer, as he sees through the divine light of Allah."

A spiritual mentor trains a person as per their personality. He

One and One = Eleven

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said: "Khawaja Sahib! Do not be irregular in your meditation. We do not have much time. Sometimes, we have to wait for six months or so to bless someone for just a minute. However, when we do find a minute and focus our attention on a disciple, we find them sleeping or busy playing games. They lose the reward that they were just about to receive by not practicing regularly and performing their meditation on time. God knows when their next reward may come."

Every creation is constrained to two aspects. Both are a definition of the other. For example, the definition of 'the day' is tied to 'the night', and vice versa. Someone may feel happy and smile, making their face attractive, but in the next moment it can become unattractive. Happiness comes after sorrow and sorrow comes after happiness. But this happiness is not true success. In a sense, people worship this happiness that comes and goes like the rising sun. Going from happiness to sadness and back is a never-ending exchange. But this exchange is true for constrained thinking only. One will go up and down in life, with their happiness and sorrow as their mind is limited or biased. The mind only breaks through these constraints when it becomes unbiased through deeply understanding the nature of happiness and sorrow. The truth is that neither happiness nor sorrow is everlasting. It is a feeling that cannot be described easily. Mr. Azeemi said,

"Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said to me:

It cannot be called a feeling. It is getting rid of both – happiness and sorrow. If you ask them to wear simple shorts, or make them wear very expensive clothes, feed them chicken, or present them with dry bread – they are free from both: happiness and sorrow. To such people, God feeds them from Himself, He provides garments from Himself, and gives them means of subsistence at their disposal."

Spiritual knowledge is based on practical observations. In the following sections we will study, as a student, what can you reflect on from Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya's (RA) training?

The teachings of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) enables a mind to be free from doubts and strengthen its belief. Disobedience, lies, mistrust, ingratitude and other unethical diseases are the fruits of doubts that have grown into strong trees. Each fruit is not just a single fruit – it has many seeds and every one of those seeds is a tree. Belief is such a pure tree that it develops a neutral conscious. Every fruit of a tree is a reflection of that tree. It is mentioned in the holy Quran:

"Have you not seen how Allah has set forth a parable: A good word is like a good tree, having its

His bounties are all over me. He provides the best and purest subsistence to me. What I preach to you is my established habit and there is no difference in my speech and actions. Whatever I do is based on the trust of my Lord. My tasks are completed with His help. However, you do not believe in what I say. You make fun of my invitation and do not believe that I am a messenger of God. There is not an opportunity that you miss in opposing me."

The leaders, filled with arrogance, inflicted much pain and suffering on the Prophet Shuaib (PBUH) and his companions. They insisted that he and his companions abandon their religion and adopt polytheism and idol worship, or else face expulsion along with their families. The courageous and determined Prophet Shuaib (PBUH) did not falter and remained steadfast in his mission. He said:

"What! Even though we do detest (them)? We should indeed invent a lie against Allah, if we returned to your ways after Allah hath rescued us therefrom" (Quran, 7:88-89)

Prophet Shuaib (PBUH) warned them that if they did not give up their hypocritical behaviour, then the Law of God would activate and they would be destroyed. Not listening to the consequences preached to them, his nation did not escape the clutches of the darkness of the lost path. His hapless nation continued to target his teachings with mockery and sarcasm and remained obstinate in their ways. Eventually, the discussions ended, and the arrogant and disobedient nation came to their miserable end.

"When Our decree issued, We saved Shuaib and those who believed with him, by (special) mercy from Ourselves: But the (mighty) blast did seize the wrong -doers, and they lay prostrate in their homes by the morning as if they had never dwelt and flourished there! Ah! Behold! How the Madyan were removed (from sight) as were removed the Thamud" (Quran, 11:94-95)

"But they rejected him. Then the punishment of a day of overshadowing gloom seized them, and that was the Penalty of a Great Day." (Quran, 26:189)

The disobedient and non-observant nation was removed from this world and prophet Shuaib (PBUH) and his followers remained safe from punishment. He left the town saying:

"O my people! I did indeed convey to you the messages for which I was sent by my Lord: I gave you good counsel, but how shall I lament over a people who refuse to believe!" (Quran, 7:93)

Prophet Shuaib (PBUH) was the father in law of Prophet Moses (PBUH). Prophet Moses (PBUH) stayed with him for a while and was trained under his observation, and then went on to marry his daughter Safora.

It is a law that the limited and ever changing senses control a self-centered person. Brotherhood and love leaves them. Violating the rights of others become the norm to them, and disobedience, or Sin, becomes commonplace. Their Good nature shies away from their Sins and shamelessness spreads through them. With the absence of Good, they perform unethical deeds openly.

God blessed the nation of Prophet Shuaib (PBUH) with countless provisions. Although they used to consider this abundance to be a result of their own efforts and an inheritance from their forefathers, they still worried about losing it. When accumulating wealth was all they cared about, the whole nation began to worship wealth. Worshipping wealth is one of the biggest Sins and many nations have been destroyed due to it.

During that era, the people sprinkled floral water and sprayed fragrances on a giant idol named Baal. They covered this idol with gold, silver and expensive jewellery and used to sacrifice camels and even their own children in front of it. Later, the same idol started being worshiped by the Arabs who called it Hubal. Nature appointed a pious and knowledgeable person as a messenger among them when the ethical and religious conditions of the nation turned for the worse.

"To the Madyan people We sent Shuaib, one of their own brethren: he said: O my people! Worship Allah; Ye have no other god but Him." (Quran, 7:85)

Guiding his nation towards the right path, Prophet Shuaib (PBUH) invited everyone to the One and Only Lord and advised them to act on the teachings of the one God. He pointed out wrongdoings and advised against polytheism and evil deeds.

"And give not short measure or weight: I see you in prosperity, but I fear for you the penalty of a day that will compass (you) all round. And O my people! Give just measure and weight, nor withhold from the people the things that are their due: commit not evil in the land with intent to do mischief." (Quran, 11:84-85)

Respected readers, do you understand the meaning of this?

This nation was famous for their professional dishonesty in trade through inaccuracy in measurement, selling lower quality goods at a high price with the promise of quality. For them, following the advice of Prophet Shuaib (PBUH) would have deprived them of their additional, unlawful profits. Prophet Shuaib (PBUH) advised them to keep their businesses pure from illicit actions and to earn only through lawful methods. He informed his nation that the greed for wealth destroys a person's capabilities in the same way termites destroy wood. At that point, a person can no longer differentiate between good and bad and fixates on amassing wealth.

i

Prophet Shuaib (PBUH)

The leaders, filled with arrogance, inflicted much pain and suffering on the Prophet Shuaib (PBUH) and his companions. They insisted that he and his companions abandon their religion and adopt polytheism and idol worship, or else face expulsion along with their families.

Prophet Abraham (PBUH) had six sons with his third wife Ketura. One of his sons was Meryan. Prophet Shuaib (PBUH) belonged to the tribe of Meryan. Meryan or Midian was married to Prophet Lot's (PBUH) daughter and settled in Hijaz with his family. All of the tribes of Midian bin Abraham became famous and well renowned because of Prophet Abraham's (PBUH) name. At the time of prophet Shuaib (PBUH), the tribes descended from Prophet Abraham (PBUH) settled in the eastern part of the Red sea and in Hijaz, which was in the north west of Arabia next to Syria.

The era of prophet Shuaib (PBUH) is quoted as roughly 16th or 17th century BC.

In the Torah, he is referred to as Hobab and Jethro. Prophet Shuaib (PBUH) was an eloquent speaker, and had a very unique style of speech that was polite, precise, and appropriate to the occasion: he is known as Speaker of the Prophets (PBUH).

The trees of Hijaz used to be laden with flowers and fruits due to the favourable weather at the time. The tall, green and dense trees seemed to touch the sky. The holy Quran has mentioned the residents of Hijaz as "the people of Aika" (people of the trees). "Aika" is a term used for green shrubs full of flowers. The people of Madyan were well off due to the rich soil and gardens that engulfed the town. Trade was their main occupation, and so long as they remained on Prophet Abraham's (PBUH) faith, they would not succumb to the sparkle of silver and gold. They eventually turned from the faith and ignored the divine teachings. Their collective good was replaced with vested interests and greed. Pride and arrogance became their second nature – Iblis (Satan) succeeded in sowing seeds inside them to take revenge on the descendants of Adam. The people of Hijaz began to believe that the fertility of the soil, the greenery of their gardens, their abundance in resources, and the profits of their trade were due to their own efforts alone. They turned a blind eye to the blessings of the most merciful Lord and stopped being thankful to Him. Their ego made them stiff-necked and their hearts turned bleak. It is said that when the mirror of the heart is stained, one's vision becomes limited. One who is confined to the shell of their Self treads further away from collective, harmonious feelings.

goes to office, sits on chair, performs office work, returns back to home, again changes clothes and lays asleep.

However, he remains oblivion to all activities he performed in sleep-walking, but each activity is recorded in the memory of mind. An impression of memory could reveal all successive activities performed during the somnambulism.

Another experience of hidden viewpoint is the meditation. A focused meditation would reveal many hidden worlds, which are usually not observable. Most of these observations belong to the future.

But to attain this state while awakening, an absolute concentration is essential.

Though rarely found, one may travel physically from one city to another unintentionally which is a hidden viewpoint experience. Same may be experienced intentionally, but physical body should be lighter, as compared to its common denser state. After a hardship of practice, an individual may visit to any place or city irrespective of any limits of distances.

Our universe has twofold composition, one is lighter than the denser aspect. The lighter aspect is revealed before the eyes, when one contemplates towards hidden viewpoint. This viewpoint is the foundation of material or phenomenal world. In this state, one can reach anywhere he imagines. If someone is aware of imbued light, his physical or material body gets lighter and light dominates in actions.

individual being is agile and based on a particular wavelength. The conscious awareness is laid on the interpretation of perceived wavelength.

Pyramids are constructed in shape of single, double, triple, quadruple or twenty rooms. But the key element is similarity in geometrical shape of rooms. Even, if similar technique is used to construct a unit wavelength home, then the object inside would never be rotten over the period of fifty thousand years, even a hundred thousand or one million years. It retains its original characteristics.

The hidden and phenomenal viewpoints are two directions of thought. Unlike phenomenal world, hidden world is concealed from conscious. The sixth sense is a hub of thoughts.

As thought is nothing but electricity, so is the hub that is the sixth sense. All cells in mind have this sixth sense as focal point, therefore it is soul of each cell. Soul is the hidden aspect of electricity. The apparent aspect is characterized as matter or to be precise is the chromosome of being. A chromosome consists of forty eight circles or points.

There are three types of chromosomes.

- The chromosome of angels is invisible to common observation and does not exhibit sexual desires.
- The chromosome of jinn is also invisible to common observations but exhibits sexual desires and reproduction. However it pertains a limited life cycle.
- Third chromosome is attributed to human being, which is visible and exhibits both sexual desires and reproduction. But once soul or spirit leaves it, it turns into dust.

In fact chromosome (dust) is an illusion, whereas soul makes it alive. But unlike chromosome's vision, only a spirit can observe itself. However the spiritual vision is hidden aspect of observation.

The hidden viewpoint is an observation in past or future. Every individual experience this viewpoint during sleep, where forthcoming events appear before him. But mostly dreams are neither comprehended nor remembered. Dreams are concealed aspect of life, where unlike common observations, hidden observations are made.

Somnambulism is sleep-walking, although it is considered as illness, but it isn't. In this state, one wakes up while asleep, changes clothes,

Time Measurement—?

Allah said:

"Who created the heavens and the earth and all that is between them in six Days. Then He rose over the Throne . The Most Beneficent, So ask about Him someone who knows ." (Quran, 25:59)

Thought and body are two aspects, divided further into six stages.

1- Perception 2- Thought 3- Concept 4- Sensation

5- Mobility 6- Phenomenon

Cosmic system is traversed in six circles. All creatures are composition of various gases. These gases are flow of electrical currents. Flow is consistent in all species such as heavenly bodies, minerals, plants, animals. Life is derivative of consistency. On the one hand, aforementioned electricity is a color and other is light. Light is appeared as colors when reflected over screen of mind via eyes. In general, a wide perception is we observe outside, but in fact it is other way around. Electricity is media between the sight and scenery. Hence it is common between the observation and the sight-scenery. That is the reason why observation is made, otherwise it wouldn't be possible.

The flow of electricity between the cells also makes communication of thoughts between two minds. Electricity is composed of a complete description, feelings and emotions—either in a thought or collection of thoughts.

A cell is like a material cyst and electricity provides it life. If brain is trimmed out of the skull, despite the empty space, other organs continue their function due to the presence of relevant electrical cells.

After the demise of an individual, he is characterized as micro-film which is alive in itself with all sensations. He responds to what we utter, but his sensation wavelength for speech, hearing and seeing exists beyond the one's materialistic perception. It indicates, death is merely transformation from one zone to yet another zone of light, rather than diminution.

The range of audible frequency for an expired individual lays beyond the ordinary perception that is between twenty cycles per second to twenty thousand cycles per second.

It means objects either shrink down or expand to such a large extent that their perception goes beyond the limitations of conscious. But each

ii

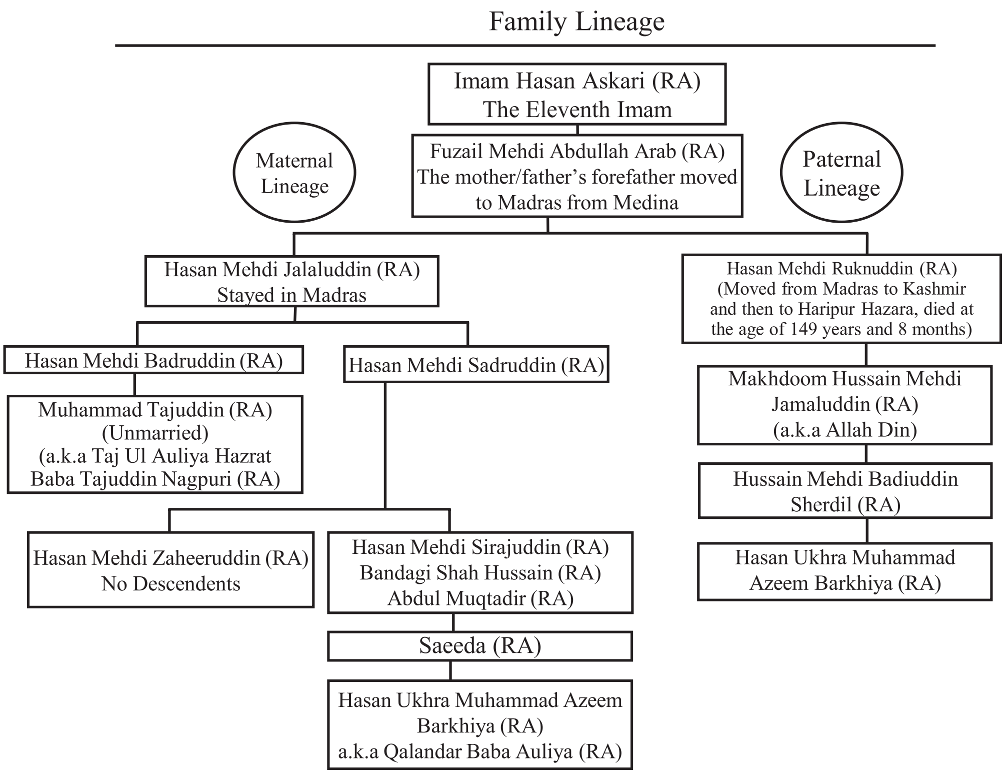
Family Lineage
Imam Hasan Askari (RA)
The Eleventh Imam
Maternal
Lineage
Fuzail Mehdi Abdullah Arab (RA)
The mother/father's forefather moved
to Madras from Medina
Paternal
Lineage
Hasan Mehdi Jalaluddin (RA)
Stayed in Madras
Hasan Mehdi Ruknuddin (RA)
(Moved from Madras to Kashmir
and then to Haripur Hazara, died at
the age of 149 years and 8 months)
Hasan Mehdi Badruddin (RA)
Hasan Mehdi Sadruddin (RA)
Muhammad Tajuddin (RA)
(Unmarried)
(a.k.a Taj Ul Auliya Hazrat
Baba Tajuddin Nagpuri (RA)
Makhdoom Hussain Mehdi
Jamaluddin (RA)
(a.k.a Allah Din)
Hussain Mehdi Badiuddin
Sherdil (RA)
Hasan Mehdi Zaheeruddin (RA)
No Descendents
Hasan Mehdi Sirajuddin (RA)
Bandagi Shah Hussain (RA)
Abdul Muqtadir (RA)
Hasan Ukhra Muhammad
Azeem Barkhiya (RA)
Saeeda (RA)
Hasan Ukhra Muhammad Azeem
Barkhiya (RA)
a.k.a Qalandar Baba Auliya (RA)

i

Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)

A brief biography of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)—the founder of Azeemia Sufi order is presented as follows:

Good Name: Hasan Ukhra Syed Muhammad Azeem Barkhiya a.k.a Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA).

He is entitled 'Hasan Ukhra' by the Prophet (PBUH) in Owaisia order (a methodology to instill knowledge). He is called by the similar title in the court of Prophet (PBUH).

At the time of birth, he was named Muhammad Azeem. His parents belong to Sadaat that is Prophetic (PBUH) family lineage. Family lineage leads to Hazrat Imam Hasan Askari (RA). His *takhallus (pen name)* is Barkhiya. Due to his supreme stature in the divine administration of Qalandar echelon, he is widely known as 'Qalandar Baba Auliya (RA)' among the angels of Earth and Heavens and courtiers of Arsh (a divine office). He is also called with a similar title among the people.

During the tenure of his education in Ali Garh University, his inclination towards Sufism increased many folds. He used to spend most of his time at the residence of Maulana Kabuli (RA) near a graveyard. In routine, he goes there in the morning and leave quite late in the evening. In the meantime, he visited his grandfather Baba Tajuddin Nagpuri (RA).

When his father came to know his routine, he visited Nagpur before Baba Tajuddin (RA). He requested Baba Tajuddin (RA) to pursue his son to complete his education in Ali Garh.

The master of teachers, beholder of hidden secrets of divined system and divined knowledge said, "If he learnt more than what he has already acquired, he wouldn't be able to inculcate my training."

Beloved father of Qalandar Baba (RA) told his son about his apprehension. But when he noticed, his son is apt to sufiastic inclination he told him, 'Son, you are mature enough to pursue your future course.' Father left his son to his course.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) stayed with his grandfather Tajuddin Auliya (RA) for nine years. During this tenure his grandfather Tajuddin Auliya (RA) instilled in him the spiritual education. Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has narrated a few moments of training, in book, titled, '*Tazkira Tajuddin Baba (RA)*' along with their scholarly explanation.

Hazrat Abu Al Faiz Qalandar Ali Sohravardi (RA) trained him for Qutb Irshad (a highest rank in preaching divined knowledge after prophets) and awarded him Khilafat (graduation). Later Hazrat Sheikh Najm Uddin Kubra (RA) extended the training of Abdal-e-Haq for Ilm-e-Huzoori (a branch of supreme divined knowledge), followed by blessing of Ilm-e-Ladunni (a branch of supreme divined knowledge regarding the formulae of cosmic system) by Prophet (PBUH) himself. The Prophet (PBUH) led him to Allah and there he is further blessed with divine knowledge of all hidden secrets of universe.

Contents

Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)	From Editor's desk	206
Time Measurement_?	Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA)	204
Prophet Shuaib (PBUH)	Extracted	201
One and One = Eleven	Muhammad Zeeshan	197
The Interpretation Does Matter	Dr. Naeem Zafar (UAE)	191
The Autobiography of the Devil (Iblees)	Nasser Abbas (UK)	187
Chinese Gleams of Sufi Light	Sachiko Murata, State University of NY-USA	181
Teachings of Qalandar Baba Auliya (RA) (multi-lingual)	From Editor's desk	174

You wander from room to room,
hunting for the diamond necklace,
that is already around your neck!

— Maulana Jalaluddin Rumi (RA)

Vol 4 Issue 12 | January 2017 | Rabi-ul-Thaany — Jumaada-al-Awal 1438AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.60/- Per issue. Annual subscription Rs.820/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

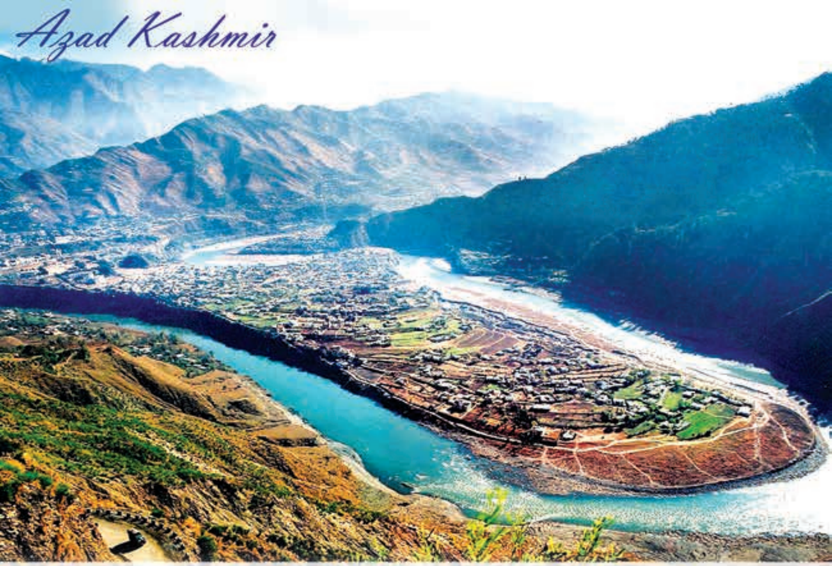

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD
HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم وملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

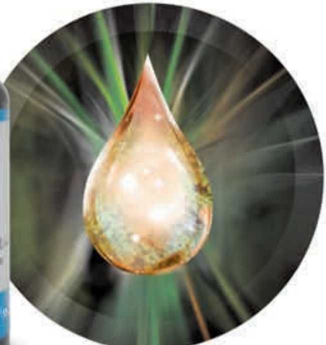

روغن
پرسیاؤشاں

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشو ونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

ELEVATE YOUR STYLE WITH
COROLLA ALTIS
Grande
1.8L
TOYOTA
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
Grande
facebook.com/Toyota.Hyderababd
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad, UAN #: (022) 111 555 121 , Fax: (022) 3885126
email: toyota.hyd@cyber.net.pk, web: www.toyota-hyderabad.com